International Journal of Islamic Studies & Culture *ISSN-2709-3905*
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192 *PISSN2709-3891*
(Volume.4, Issue.2 (2024)
(April-June)

نعیم بیگ کے ناول، ڈیوس علی اور دیا، کا ساختیاتی، جدید مابعد نوآبادیاتی، نفسیاتی تنقیدی مطالعہ

Saira Bano
PhD Scholar, Department of Urdu, NCB&E sub-Campus Multan at-
sb2036693@gmail.com/stary2cute@yahoo.com
Muhammad Hanif
PhD Scholar, Department of, NCBA&E sub campus Multan at-hanifawisi786master@gmail.com
Dr. Muhammad Shakil Pitafi
Professor, Department of Urdu, NCBA&E sub-Campus, Multan at-Shakilpitafi@gmail.com

Abstract
Structuralism, post modernism and psychology are the intellectual way to study of new writings, which are the results of horrific Wars violent social Resolution authoritarian and anti. Individual beliefs and the decline of spirituality. It has caused confusion and despair materialism depravity of imagination Disintegration of spirit and unity, Literature and culture, feelings of insecurity, social, political, religious the defeat of ethical and moral values. From which our culture Structural and postmodern critical study of modern fiction has new vision and perceive the literature Norms and flawless meanings. Human life and society have been the focus of attention in Urdu Novels from the very beginning, That, so why, NAEEM BEIG, who is a modern progressive writer, covered modern philosophical postmodern and intellectual discussion. NAEEM BEIG kept and critical eye on the changing of circumstances and made the problem of human existence, his subject Naeem Beig is one of the elegance progressive writer and critique of 21 century. He wrote 2 novels in English and 2 in Urdu, and also write 2 books of short story. In this Article his first novel, DAVIS ALI AND DIA, in existential, Structural, psychological, social and political effects has been discussed.

ترقی پسندی استحصالی معاشرتی کمیونزم، رومانویت، سوشلسٹ طرز فکر کا اظہاریہ۔

یہ امر واضح ہے کہ جدید اردو تنقید، نقد و انتقاد میں کسی فن پارے کی شرح، توضیح، تجزیہ و تبصرہ اس کے محاسن و معائب کو مد نظر رکھتی ہے۔ شاعری ہو یا فکشن کی شعریات تنقید کے تفہیمی اور توضیحی مقاصد میں عہد بہ عہد معانی کی تہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

تنقید اپنے ارتقا میں بیرونی عوامل کی سرپرستی کے تحت داخلی عوامل کے دائرہ کار کو توسیع آمیز انداز سے آگاہ کرتی رہی۔ جدید تنقید میں دو اہم اقسام کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ داخلی اور خارجی تنقید کے پہلو اہم ہیں۔ داخلی تنقید سے تخلیق کے اندرون بین کے اجزا اسلوب ہیئت، جمالیات معنوی ربط میں کانٹ چھانٹ پر توجہ مرکوز رکھتی ہے جبکہ خارجی تنقید کا مقصد فن پارے میں قاری متن کے معنی کو اخذ و قبول میں نتائج اور اثرات و کیفیات سے کس قدر اثر پذیر ہوتا ہے۔ خارجی تنقید تخلیق پر حکم لگا کر، کھرے کھوٹے میں تفریق کرنے کا حق ادا کرتی ہے۔ جدید تنقیدی تناظرات میں شاعری اور فکشن کی شعریات میں پرکھ سے قبل جدید تنقیدی رجحانات، نظریات اور مکاتب فکر کا مختصر اتجزیہ ضروری ہے کیونکہ یہی نئے تنقیدی مکاتیب اور نظریات ادب کی توضیحات و تفہیم میں تعین قدر، معانی کی مخصوص مرکزیت کو معدوم کر کے نئی توجیح اور معنوی تشریح توضع کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

جدید اردو تنقید نے جس مقصد تنقید اور تفہیم کو وسعت نظری سے جذب کیا ہے اس پر یوں روشنی ڈالی جاسکتی ہے:

"Literary criticism is devoted to the

Comparison and analysis, to the interpretation

and evaluation of work of Literature. (1)

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں چند اہم مغربی رجحانات جنھوں نے اردو تنقید کے دامن کو تجزیاتی فلسفیانہ فکر سے دوچار کیا ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ساختیاتی تنقید:

اردو تنقید میں ساختیاتی تنقید مغربی انداز فکر کو ۱۹۶۰ میں بطور فلسفیانہ اصول، طریقہ کار، اور ادراک حقیقت کا نام دیا جاتا ہے۔ ساختیاتی تنقید زبان کے مطالعے سے الگ ادب کے مطالعے اور ان اصولوں کی دریافت ان کی تعین قدر کی سعی کا نام ہے۔ جو ادبی متون اور انفرادی متن کے درمیان رشتوں میں موجود ہوتے ہیں، ساختیاتی فکر کے بانی سوئس ماہر لسانیات فرڈی نینڈی ساسئر (۱۸۵۷) اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے لسانی اور ادبی تنقیدی فکر میں انقلاب برپا کر دیا اور تنقید میں جدید ترین نظریہ فکر،، ساختیات،، کو متعارف کروایا۔ جس میں زبان کے اجزا کے بجائے رشتوں کے ربط کو خصوصیت دی گئی۔ جسے معنی نما دال، سگنیفائیر اور مدلول تصور معنی سگنیفائیڈ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ سائسر نے زبان کی تاریخ کے مطالعے کو رد کر کے ثقافت کو اہمیت دی ہے۔ سائسر نے زبان کے لسانی نظام کو دو اہم اصطلاحات لانگ اور پارول سے تشبیہ دی ہے۔ لانگ سے مراد کسی زبان کی تجریدی ساخت ہے جسے ادبی، ثقافتی، تاریخی پس منظر سے منعکس کیا جاتا ہے اور اہل زبان اس سے آگاہ ہوتے ہیں۔ لانگ زبان کی گرائمر کے قوانین کی طرح ابلاغ کے نظام کو کنٹرول کرتی ہے۔ پارول جسے زبان کا ظاہری عمل تکلم، نطق، کلمہ کہا جاتا ہے۔ پارول کا تمام تر انحصار لانگ پر ہوتا ہے۔ لانگ، لاشعور اور پارول شعور کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

اردو تنقید ادب میں ساختیاتی لسانی تنقید کا باقاعدہ آغاز آٹھویں دہائی میں ہوا اس میں جدید انداز فکر کو کئی اہم اردو ناقدین نے اپنایا جس میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (۱۹۳۱) شمس الرحمن فاروقی (۱۹۳۵) ضمیر علی بدایونی (۱۹۴۱) ڈاکٹر وزیر آغا (۱۹۲۲) ڈاکٹر فہیم اعظمی، راحت سعید محمود واجد، احمد ہمیش، ریاض احمد، ڈاکٹر محمد علی صدیقی (۱۹۳۸) قاضی افضال حسین (۱۹۴۹) ناصر عباس نیر (۱۹۷۱) اور دیگر نامور جدید ناقدین شامل ہیں۔ ساختیاتی تنقید ادب پارے کی تشریح و توضیح کی بجائے یہ دیکھتی ہے کہ تخلیق کس انداز طریق مطالعہ سے نقاد یا قاری کی کوشش سے اثر پذیر ہو رہی ہے۔ تنقید کا مقصد ادب کو مکمل،، کل،، کی صورت میں دیکھنا ہے۔ نقاد تخلیق کی صفت پر غور کرتا ہے۔ جس پر ساختیات زور دیتی ہے۔ یعنی ساختیاتی نقاد تخلیق کے مخصوص متیعن معنی کے عمل کو التوا میں ڈال کر نئے معنی اور مواد مہیا کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

،، ساختیاتی سرگرمی کا مقصود و منتہا نظروں سے اوجھل اس
گرائمر کو یا ادب یا ان کے پوشیدہ اصولوں کو دریافت
کرنا تھا جن کی بدولت ادب بطور ادب کے متشکل ہوتا ہے۔،، (۲)

مختصر ایہ کہنا اہم ہے کہ ساختیات ادبی متن اور ادبی قرآت کے منفرد اصولوں اور قواعد کو ترتیب دینے کا باعدہ نظام وضع کرنا چاہتی ہے، جن کی بنا پر ادب کی مختلف اصناف شاعری، ناول، افسانہ، ڈرامہ، نظم، تخلیق کرتی ہے۔ کلچر، ثقافت، تہذیب سے قاری لطف و حظ کشید کر سکے۔

یہ بات واضح ہے کہ ساختیاتی تنقید نے، تانیثی تنقید کو بھی اپنے اس پہلو سے بہ خوبی آگاہ کیا ہے۔ کہ جس سے اس کی اپنی بھی توسیع ہوتی ہے۔ اس نے ادبی متون کو نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور تانیثی شعور کے نئے معانی متعارف کروائے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

،، ساختیاتی تنقید ادبی متون کو بھی ایک ثقافتی پوٹینشیل کی
ریلائزیشن قرار دیتی ہے اور ادبی متون کو تفہیم و تعبیر کے
بجائے ان متون کے وسیلے سے اس ثقافتی نظام کو گرفت میں
لیتی ہے۔ جس نے متون کی تعمیر و تشکیل کی ہوتی ہے یہ

نظام مخصوص کوڈز اور کنونشنز رکھتا ہے جن کا تعین

ساختیاتی نقاد دوران مطالعہ کرتا ہے۔،،(۳)

علم بشریات:

Anthropology علم بشریات کی اصطلاح غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اسے ادب کے موضوعات

زندگی فطرت پرستی، ماحول سب کے لیے اہم جزو ہے ماہر بشریات کے مطابق ہمیں گہری سطح پر انسانی فکری ذہنی تنوعات کی بنیاد کو کریدنا ہوگا۔ جو کہ چند اہم سوالات کو جنم دیتے ہیں۔ مثلا

ا۔ دنیا کس طرح وجود میں آئی؟

۲۔ انسان کا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟

۳۔ یہ فطرت کے اصول سچائی، انسانیت، باہمی تعاون اشیا، روشنی ہوا، پانی، خوراک، رویے، معاشرے کے سماجی روابط انسان کی فطرت اور تمام مخلوقات کی جبلتیں ان کے باہمی تعلقات کا نظام کیا ہے؟

علم بشریات کی بنیاد کلچر، ثقافت رہن سہن اعادات و تضادات آپس میں مثبت و منفی رویوں سے جڑے تعلقات پر استوار ہوتی ہے۔ ادب کی جانچ پرکھ کے لئے موئثر مواد مہیا کرتی ہے۔

Realism حقیقت نگاری:

حقیقت نگاری سے مراد ادب یا فکشن میں حقائق کو اس طرح پیش کرنا ہے کہ جیسے وہ فی الحقیقت ہوتے ہیں خواہ وہ حقائق ناخوشگوار ہی کیوں نہ ہوں۔

بقول انوار سدید:

،،رومانوی تحریک کے پہلو بہ پہلو ایک ایسی تحریک بھی

مائل بہ عمل نظر آتی ہے جو رومانویت کی ضد تھی اور زندگی

کو اس کے اصلی رنگوں میں پیش کرنے کی سعی کر رہی

تھی یہ حقیقت نگاری کی تحریک تھی۔،،(۴)

حقیقت نگاری نے بنیادی طور پر موجود زندگی اور اس کے گرد و پیش کو اہمیت دی اور اس شعور کو بیدار کرنے کی کوشش میں جس کو رومانوی ادیب نظر انداز کر رہا ہے۔ چنانچہ حقیقت نگاری ایک رجحان کا درجہ رکھتی ہے۔ جس طرح سائنس تجزیاتی انداز تحقیق میں اشیا اور اجسام کی خصوصیت واضح کرتی ہے اسی طرح حقیقت نگاری ادب اور آرٹ کے ذریعے جائزہ اور حکم کا کام سرانجام دیتی ہے۔ ترقی پسند تحریک نے تمام زبانوں کے ادب کو متاثر کیا اور ادب کے اظہار میں صداقت، حقیقت نگاری اور مثبت تبدیلیاں اختیار کیں۔ اس کے اہم اصول و قواعد میں درج ذیل اہم نکات شامل رہے ہیں۔ جن کی ترجمانی ادب فنون لطیفہ تمام اصناف میں مد نظر رکھنا لازمی ہے۔

،،ہندوستانی ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ زندگی میں رونما

ہونے والی تبدیلیوں کا بھرپور اظہار کریں اور ادب میں

سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دیتے ہوئے ترقی پسند

تحریکوں کی حمایت کریں۔اس قسم کے انداز تنقید کو
رواج دیں جس سے خاندان، مذہب، جنس، سماج، جنگ و
انقلاب کے بارے میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی
کے خیالات کی روک تھام کی جاسکے۔،،(۵)

حقیقت نگاری کی اساس جدید زندگی اور اس کے گردوپیش کی اہمیت اور شعوری بیداری کی سعی کے زیر اثر ہے۔

ڈاکٹر شکیل پتافی لکھتے ہیں:

حقیقت نگاری ایک رجحان کا درجہ رکھتی ہے۔ جس طرح سائنس
سچائی کے ساتھ اشیا اور اجسام کے خصائص کا معائینہ
کرنا چاہتی ہے، اس طرح حقیقت نگاری ادب اور آرٹ کے
ذریعے یہی کام کرنا چاہتی ہے۔انگلستان میں یہ تحریک
قریب قریب اسی زمانے میں مقبول ہوئی جب فرانس میں اس
کو ایک نام دیا گیا تھا۔ادبی مورخین نے ۱۸۳۲ سے ۱۸۷۵
تک کے انگریزی ادب کو حقیقت نگاری کا ادب قرار
دیا ہے۔ مغربی ممالک میں یہ تحریک بہت جلد،، فطرت نگاری،، کی
(تحریک میں ضم ہو گی۔،،٦

جدید اردو ناول کی صنف میں موضوعاتی، تاریخی، سماجی، سیاسی اعتبار سے بے شمار مصنفین کا تخلیقی اظہار فقید المثال ہے خصوصا ترقی پسند نظریاتی فکر کے حامل ناول نگار ہر دور میں معاشی سیاسی، سماجی جبر و استحصال کو موضوع بناتے ہیں۔ ممتاز ترقی پسند ادیب، کالم نگار، انجیر نگ، بنیکار انگریزی اور اردو ناول اور افسانہ نگاری کا منفرد اسلوب رکھنے والی شخصیت محترم نعیم بیگ ۱۹۵۲ جن کا تعلق ادبی مرکز لاہور سے ہے۔بنیادی طور پر بینکاری، انجیر نگ، صحافت، مینجمینٹ کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں اندرون، بیرون ملک طویل عرصے تک بہترین خدمات سرانجام دیں۔پروفیشنل ذمہ داریوں کے ساتھ جزو وقتی لکھاری بھی ہیں۔ ہمہ وقت مختلف اخبارات ورسائل ادبی جرائد میں اردو انگریزی ادبی، کالم بھی لکھتے رہے ہیں۔ادبی مشاہدے اور تنقیدی ویژن سے ایک نئی دنیا میں قدم رکھا۔اور یہی قدم بالآخر نئی منزلوں کا نقیب ثابت ہوا۔

1. TRIPPING SOUL
2. KOG.N. PLAN

جیسے بے مثال انگریزی ناول لکھ کر منفرد کردار ادا کیا ہے، اردو زبان میں دو افسانوی مجموعے،، یوڈیم سالا،، لکھ کر ادبی حلقوں میں بھونچال پیدا کیا۔ نعیم بیگ صاحب کے دوسرے افسانوی مجموعے،، پیچھا کرتی آوازیں،، معتبر ادبی حیثیت کا غماز ہے جس میں مابعد نوآبادیاتی فکری تحریک کے اثرات واضح ہیں۔ان کا پہلا اردو ناول،، ڈیوس علی اور دیا،، تاریخی حوالوں سے عصری سماجی المیوں اقتدار کی راہداریوں میں پائی جانے والی سازشوں اور طاقت کے ایوانوں میں استحصالی قوانین کا راج اور امپریلزم کی استعماری سازشوں کو آشکار کرتے ہوئے قاری اور نقاد کو فکر و خیال کی دعوت دیتا ہے۔انسانی خمیر میں گندھا ہوا رومان اور جمالیاتی رنگ ان کی تخلیقی پہچان بن چکا ہے۔ نعیم بیگ صاحب کئی ایک ملکی ادبی اداروں، ہیومن رائٹس واچ، عالمی رائٹرز گلڈ، حلقہ ارباب ذوق، اکادمی ادبیات مرکزی ادبی مصنفین کی تنظیم کے بنیادی ممبر ہیں ان کے مذاکرے

،مکالمے ان کی شخصیت کے مخفی پہلوؤں ادبی ذوق کی دلیل ہیں۔ان کا تازہ ترین ناول،،خواب انگارے،،شائع ہو چکا ہے جس میں بلوچستان کے سیاسی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے، جن کے اثرات انسانی المیوں کو جنم دینے لگے ہیں۔اس حساس موضوع پر مصنف نے تمام فنی و فکری، علمی تقاضوں کو مد نظر رکھا ہے۔ایک دکھ بھری اور جمالیات کی آفرنیش سے مزین خوبصورت کہانی پیش کی ہے جس کی زیریں سطح معانی کی مزید تہیں پرت در پرت کرداروں کی ذہنی اور جذباتی انتشار کی عکاس ہے۔

نعیم بیگ صاحب لکھتے ہیں:

ترقی پسند ادب کے جوہر میں اولا انسان پسندی

دوئم حقیقت نگاری، سوئم مقصدیت ہوتی ہے۔،،۷

نعیم بیگ نے جدید فکشن میں اردو ناول میں تخلیقی تجربات اور جدیدیت کے ساتھ سرمایہ دارانہ فکر کے عمومی فرد کے ذہنی انتشار کی روابھارا ہے۔ان کی نگاہ بدلتی تہذیبی اقدار، تہذیبوں کے تصادم اور بدلاو کا اثر اور ادب کی تخلیقی تبدیلیوں میں سماج، اداروں، قوانین، معاشرہ، سائنسی ایجادات معیشت کی بدحالی کے نتیجے میں جو خرابیاں انسانی سوچ اور عمل پر وارد ہوئیں اور معاشرے میں فرد کی مرکزیت ختم کر کے طاقت اور دولت جبر و استبداد کی مرکزیت اہم ہوئی۔انسان اور پیداواری وسائل پر طاقت وروں کے اختیار اور جبری استحصالی رویوں نے انسان کی سوچ پر دائرے کھینچ دیئے۔ناول میں مابعد نوآبادیاتی مسائل پر مصنف کی بڑی نگاہ ہے۔نعیم بیگ صاحب کے ناول افسانے یا تخلیقی تنقید علمی تبصرے اخبار و جرائد میں شائع ہونے والے آرٹیکلز انفرادیت کا الگ معیار اور مقام رکھتے ہیں۔

مصنف کا پہلا اردو ناول،،ڈیوس علی اور دیا،،اپنے موضوع کے حوالے سے دلکش اور منفرد حیثیت کا حامل ہے عنوان سے ہی یونانی دیومالائی کرداروں کی روح اور طاقت بلندی کا گمان ہوتا ہے۔،،ڈیوس،،یونانی گاڈ جو طاقت، اختیار اور حسن کی علامت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔پر کشش موضوع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ناول کا مرکزی نسوانی کردار،،دیا،،یونانی گاڈس کے نام پر منتخب کیا گیا ہے۔یعنی دیا آسمانوں میں بسنے والی طاقت ور فیمنسٹ اقدار کی دیوی ہے جسے یونانی متھ کے مطابق پوجا جاتا ہے۔ناول کا مرکزی کردار،،علی،،جو پاکستان کے مرکز لاہور سے تعلق رکھتا ہے خصوصی توجہ کے حامل ان دونوں کرداروں نے اپنی ذہنی اور فکری روح سے اور فطرت کے حسین انسلاک سے رومانوی سحر قائم کر دیا ہے جو ایک متضاد کلچر، ثقافت، تہذیب و معاشرت کے باہمی ربط و ضبط کی خوبصورت مثال بنتے ہیں۔

کہانی کا عنوان قاری کے خیال کو یونانی متھائیالوجی کی گہرائی میں لے جاتا ہے یا پھر کسی بھرپور رومانوی داستان کی جانب مگر حقیقتا ایسا نہیں کہ یہ ناول عملی زندگی کی سخت جانی، جدوجہد کی وہ داستان ہے جو اپنے ساتھ ایک عہد اور اس سے جڑی تلخ سچائیوں کو بیان کر رہی ہے۔جینے کا حوصلہ وقتا فوقتا عصاب شکن کشمکش اس ناول کی ہر سطر میں زندگی اور اس سے وابستہ امید محبت، مٹی سے جڑی تہذیب اور احساسات کے شرارے پھوٹتے ہیں۔اور ہر کردار کی شخصیت سے اس کی افقی پہچان ناول کے منظر پر ابھرتی ہے اور پھر معدوم ہو کر کہانی آگے بڑھانے کا باعث بنتی ہے۔

ناول کے فلیپ پر رائے دیتے ہوئے اقبال اے رحمن لکھتے ہیں:

،،ناول کی کہانی پاگل قرار دیئے گئے ایک ذہین سول

آفیسر کو نفسیاتی مریض علی کمال ہمدانی کی آپ بیتی

ہے جس نے جغرافیائی تقسیم کی تلخیوں سے لے کر

مفادات پر مبنی کرپشن کی صورت معاشرتی تفریق اور

ناہمواری دیکھی اور اپنے مخصوص مزاج کے سبب ان

سے سمجھوتہ نہ کر سکا۔ایک جریدے کے ہاتھ لگی
اس کی آپ بیتی تقسیم ہند اور اس کے نتیجے میں برپا
ہجرت کا حشر،اور خاندانوں کی بے توقیری بے سروسامانی
کی صورت ان کے سماجی نفسیاتی رویوں کی ٹوٹ پھوٹ
کو بیان کرتی ہے۔،،۸

ترقی پسند ادیب اپنے گردوپیش کی زندگی پر کاٹ دار قلم فرسائی کا اختیار رکھتے ہیں وہ سعادت حسن منٹو ہوں احمد ندیم قاسمی، فیض، علی سردار جعفری، سجاد ظہیر، قراۃ العین حیدر یا عبداللہ حسین، انتظار حسین ہوں یا دیگر سوشل اور پروگسیو موضوعات پر لکھنے والے تخلیق کار ہوں انہوں نے تہذیبوں کے تصادم، سیاسی مفادات کی جنگ، طاقت و ظلم استحصالی نظام کا جبر، فرد کی داخلی و خارجی سماجی دباو کے تحت ہونے والی ٹکراو کی کیفیت ہو مصنف معاشرے کے بین السطور رائج ظلم و جبر استحصال کے مفاد اور مقاصد سے ہر گز بے خبر ہو نہیں سکتا۔ مصنف بقلم خود تحریر کرتے ہیں:

،،کسی موضوع پر گفتگو کے لیے آپ کے ذہن میں
اس کے جوہر پر اتفاق یا اختلاف کی راہیں ہموار
ہونا لازم ہیں ورنہ غیر ہمواریت انتقام لیتی ہے۔،،۹

ڈیئوس، علی اور دیا، منفرد اسلوب بیان کے ساتھ مابعد جدید فکر کا حامل ایسا ناول ہے۔ جس میں گزشتہ بنی گئی کہانیوں سے ممتاز کردار پلاٹ، فنی ربط و تسلسل فلیش بیک جو ناول کی کسوٹی پر اسے پورا اترنے میں معاونت کر رہے ہیں۔

ناول بنیادی طور پر دور جدید کے سایسی، معاشی، تہذیبی پوسٹ ماڈرن رویوں اور رجحانات کی واضح عکاسی کر رہا ہے جس میں امپریلزم، فاشزم کے تحت طاقتوروں کے ظلم اور استحصالی رویوں کو بے نقاب کیا گیا جو قابل اور ذہین اذہان کے لئے انتشار اور نفسیاتی عوارض کی شدت کا باعث بنتے ہیں۔

اس ناول کو مصنف نے کل ۱۸ اٹھارہ فصلوں (ابواب) میں تقسیم کیا ہے۔ اور بڑی خوبصورتی سے تخلیقی انداز کے ساتھ ایک مرکزی کردار کی سرگذشت کو نفسیاتی، وجودی، رومانوی، مارکسی اور مابعد جدید نوآبادیاتی رجحانات کے دائروں میں مقید کرتے ہوئے پرت در پرت کھولتے چلے گئے ہیں۔ معنی کی اوپری سطح کہانی کی بنت بظاہر فطرت پرستی، ڈر، خوف، خوشی، اداسی، ہجرت، خوابوں کے چھن کا کرب، اپنوں سے دوری کا احساس، محبت کی نموپاتی امر بیل اور کئی رنگ ابھر رہے ہیں، مگر زیریں سطح میں،، عشق،، کی تڑپ لاحاصل کا کرب، ذات ک شعور، سچائی کے گمان کا احساس مرکزی کرداروں میں انفرادیت کی معنوی تار و پود کو ربط سے بنتا چلا گیا ہے۔

کہانی کے آغاز میں انتساب میں مصنف نے معنوی احساس کو سگنل دیا ہے۔ نعیم بیگ صاحب لکھتے ہیں:

،،آنکھوں میں آزادی کے خواب سجائے ان کڑوڑوں
پاکستانیوں کے نام جنہیں نئے ملک میں نئی زنجیریں
عطا ہوئیں۔،،۱۰

ماضی کی بازیافت ہجرت کے صدمات اور نئی سرزمین سے وابستہ امیدوں نے جس طرح خوابوں کی کرچیاں ان دکھ بھری آنکھوں میں چبھو دیں، اس کا احساس ابھارا ہے۔ علی کمال ہمدانی کا خاندان تقسیم اور ہجرت کے دکھ کی داستان کی غمازی پر مکالمے، منظر نگاری ان کہے کرب کو زیریں سطح سے لفظی کشیدہ کاری میں پرو رہا ہے۔

پہلی فصل میں،،دھواں کے پار،،دو صحافی سارہ قزلباش اور نعمان جو جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کے بعد کرائم سیکشن میں رپورٹنگ اور فیچر رائٹنگ میں ویکلی میگزین،،روشن آسمان،،میں ذمہ دارای ادا کر رہے ہیں۔ میچور سوچ کی مالک سارہ ایلیٹ کلاس کی منافقانہ سوچ کو قریب سے جانتی اور بے نقاب کرتے ہوئے ساتھی صحافی نعمان سے مکالمہ کرتی ہے۔

،،میں فیچر اس طرح سے پیش کرتی ہوں کہ معاشرے
کے ان مخفی سماجی پہلوؤں کو اپنے قارئین کے
سامنے کھلتے دیر نہیں لگتی میری کوشش ہوتی ہے
کہ سچ کو بلا تعصب شفاف پیش کروں میرے
سامنے میگزین کی پالیسی سے زیادہ اہم بات سماجی
روایات کو عالمی تناظر میں رکھ کر ذہنی ترقی کو
وسعت دینا ضروری ہے قاری کو دیکھ کر فیچر نہیں
دینا اپنے ثقافتی رویوں کو تنزل کو سنبھالنا ہے
جو سماج میں اترتا جا رہا ہے۔،، ۱۱

مصنف نے سارہ کے کردار میں صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ نظریات کے تناظر اور معاشرتی جبر و استحصالی اقدار پر زور دیا ہے جو انہیں علی کمال ہمدانی کے کردار تک رسائی کے لیے اکساتا ہے۔

نعیم بیگ صاحب لکھتے ہیں:

،،آج کے سیاسی، معاشی، تہذیبی ابتلا کے دور
میں بلاشبہ پوسٹ ماڈرن کیفیات اس قدر گہری
چھاپ لیے ہر قدم پر آپ کو کنفرٹ کرتی ہیں کہ
جدید و قدیم یا متوازن انسان اپنے نظریات کی
کسوٹی ہاتھ میں لیے تقریباً ہانپ رہا ہے لاکھ
کسوٹی رگڑیے کچھ نہیں برآمد ہو گا، بلکہ
رہی سہی عزت سادات بھی ہاتھ سے نکل
جائے گی۔ دوسری طرف ذاتی زندگی کی مشروط
قباحتیں بذات خود ایک بوجھ بن چکی ہیں ایسے
میں کوئی چارہ نہیں کہ آپ اپنی مابعد جدید کیفیات
کا حصہ بن جائیں یا الگ تھلگ ہو کر تکلیف دہ نتائج

کاانتظار کریں۔،، ۱۲

مصنف نے نعمان اور سارہ قزلباش کے درمیان حقیقت نگاری پر موئثر مکالمہ تحریر کیا لکھتے ہیں خصوصا پہلی فصل میں ہی فطرت اور زندگی کے تعلق پر داخلی احساسات کی ترجمانی بظاہر زندگی اور محبت کے معانی کو الٹوا میں ڈال کر معانی کی پرتیں تہہ در تہہ کھولتی جاتی ہیں۔ مرد کردار زندگی کے حقائق کا بیان کچھ یوں کرتا ہے۔ نعمان کہتا ہے:

،،تم صرف محبت کو زندگی کا دوسرا نام نہیں دے سکتی،

زندگی تو کیفیت ہے، ایک بہاو ہے جو دریا کی

مانند بہتا چلا جاتا ہے اور اس کے راستے میں آنے

والے کھیت، کنارے، لوگ، پتھر، دوست اور

سبھی اس کے بہاو سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

کم از کم تم اسے صرف محبت تک پابندیاں

محدود نہیں کر سکتی۔ ہاں محبت اس کی روانی کا

موجب ضرور ہے۔،، ۱۳

نعیم بیگ صاحب نے ناول میں فطرت شناسی کی مشق کی ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ وقت کی رفتار سے چیزیں اپنا مرکز کھو دیتی ہیں۔ اور نئے مرکز میں بدلتی چلتی جاتی ہیں۔ یہاں ماحولیاتی تنقید کے ان پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے گا کہ ماحولیاتی تنقید کا ایک اور وظیفہ یہ تجزیہ کرنا بھی ہے کہ ہر مصنف نے فطرت کے ساتھ پیچیدہ رشتوں کی تفہیم کے لیے راعبانیت جیسی اصناف اور اسالیب کی بہتر تشکیل (ماضی کی نسبت) کیسے کی ہے۔ یہ حقیقت مد نظر رکھنی چاہیے کہ داخلی و خارجی مادی انسان کی باہمی ربط کو توڑنا ناممکن نہیں۔ انسان داخلیت اور خارجیت کے تسلسل کے تحت تضادات کو منہدم کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے یہ سب شعور کی بنا پر ممکن ہے شعور زندگی کی اہم کڑی ہے ۔علوم موجودات کی تقسیم دس بنیادی اقسام پر ہے۔

1. Identification

میں چار اصول ہیں یہ شناخت کا حوالہ ہیں

2. Relation

یہ اصول تعلق اور رشتوں کے نمائندہ ہیں۔ نعیم بیگ کے کردار ابتدائی سطح پر

ذہنی تموج اور مزاحمتی رویہ کے بھرپور عکاس ہیں اور باہمی گفتگو سے اشیا اور اقدار کی قدر و قیمت کے حقیقی تصورات پر مدلل انداز لیے ہوئے ہیں۔ جدید مشینی اور صنعتی ترقی کی ایجاد سے پرانی کارآمد زندگی احساس کی رو میں پیچھے کہیں رہ گئی ہے۔ بقول سید ضمیر جعفری:

زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی

کتنا اونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی ۱۴

بے جان پنکھا جس کی گھڑ گھڑ کی سست رفتاری اور ہوا کا چاروں اطراف پھیل جانا اور پھر بند ہو جانا محبت کے زوال کے فلسفے سے مشترک کرتے ہوئے سارہ کچھ یوں مکالمہ کرتی ہے:

،،نعمان تم اسے غور سے دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔اس پر مکڑی
جالے بن چکی ہے مٹی اور گرد نے اسے جیتے
جی دفن کر دیا ہے جس دن تم نے آئیر کنڈیشنڈ یونٹ
لگایا اس دن اس کی موت کا اعلان ہو گیا تھا۔
اب اسے موت سے بچانا ہے تو اس کی محبت
واپس دینا ہو گی۔،،
حرکت۔۔۔اس پنکھے کا لہک لہک کر انسانوں تک ہوا
پہنچانا ہی اس کی محبت ہے۔،،۱۵

مصنف نے زندگی میں فلسفہ تحرک اور مسلسل عمل کی جستجو کو حیات افروز روح سے تشبیہ دی ہے،اور ٹھہراو کو موت کے مماثل قرار دیا ہے۔

ناول کے فنی محاسن میں منظر نگاری کا وسیع کینوس ترتیب دیا گیا ہے کہانی کا پلاٹ ربط و تسلسل آغاز میں متجسس فضا منطقی ترتیب اور روانی خیال کی لڑی واقعات کے بالترتیب پرتوں پر روشنی ڈال کر انکشافات کے عروج پر گرفت برقرار رکھتا ہے۔ماضی کی بازیافت اپنی اقدار سے ثقافت اور تہذیب کی خاک میں مضبوطی سے پیر جمائے ہوئے ہے اور یہیں قابل غور تیکنیک،، فلیش بیک،، بار بار ماضی کے ساتھ انسلاک اور کہانی کی پوشیدہ گرہیں کھولنے اور موجودہ وقت میں سامنے کی الجھنوں کو سلجھایا گیا ہے۔یہیں کہانی کا منضبط پلاٹ کرداروں کی انگلی تھامے اور لاشعور کی بکھری تصویریں احساس کے آئینے میں یک بعد دیگرے عکس کشی کرتا ہے۔

ہر کردار اپنی نفسیات سے زندگی کے پس منظر میں مخفی تلخی کو مکالمہ کے

Sign & notion loud

یعنی بھڑکیلے رنگ عطا کرتے ہیں۔یہ پہلو تجربے کار ناول کی اہم خوبی ہے۔نعیم بیگ نے صحافتی شعبے کی صورتحال،وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا صحافتی ذمہ داریوں سے روگردانی اور اہم کیس ہسٹری کو سیاسی مقاصد اور اداروں کے مفادات کی بھینٹ چڑھنے کا المیہ جو کہ پرنٹ میڈیا کے تشہیری تقاضوں کے منافی ثابت ہوتا ہے اور کس طرح سچائی، حقیقت نگاری سے چشم پوشی کر کے حقائق کو توڑا مروڑا جاتا ہے اس مکالمے سے نمایاں حقیقت ابھر آتی ہے۔مثلا

،،سارہ! کیا اردو صحافت کی تاریخ کسی گمنام،انجان اور بیمار
شخص کا انٹرویو اپنے اندر سمو سکتی ہے۔،،۱۶

نعمان کے چہرے سے تفکر نمایاں ہوتا ہے،یہیں یہ امر مد نظر رہنا چاہیے کہ صحافتی اصولوں اور مقاصد کے پس پشت کیا عوامل کارفرما ہوتے ہیں ان پر مصنف نے کڑی تنقیدی نگاہ رکھی ہے جدید صحافتی اصولوں میں مختلف علوم کا ایک نظام شامل ہے جو تشکیک سے کھوج سے قیاس اور کرید سے دلائل اور براہین کا نظام وضع کرتا ہے تاکہ انسانی فکر صرف وہ نہ دیکھے جو دکھایا گیا،بلکہ متن کے معانی کو ڈی کوڈ کرنے کی اہل ہو سکے۔مثلا ناول کے کردار کا یہ مکالمہ قابل توجہ ہے:

،،سارہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی پر اتنا جانتی ہوں کہ کسی گمنام
اور بیمار شخص کی سٹوری میں اگر جان ہو گی تو وہ پھر یقینا
،،کور سٹوری،،بن جائے گی۔ہم موضوعات پر تنوع کی

شرط لگاتے ہیں، لیکن جب شخصیات کی بات ہوتی ہے،
تو ہم کیوں روائتی صحافی بن جاتے ہیں صرف مقبول شخصیات؟
ابھی تو میڈیا کچھ کہنے کے قابل ہوا ہے ہم یہاں روایتی اصولوں
سے زیادہ ماڈرن سائنس پر بھروسہ کریں گے، فلسفہ ہماری
ڈھال ہے ہم استدلال دیں گے۔،، ۱۷

ناول کی مکمل ۱۸ فصلیں ہیں جو ۱۔ دھویں کے پار، ۲۔ روشن آسمان، ۳۔ دیوانگی ۴۔ بامراد ۵۔ گرچ نما ۶۔ پہلی بار ۷۔ جہاں گردی ۸۔ فلنگ سول ۹۔ ایکروپولس ۱۰۔ ڈریگون سائن، ۱۱۔ سچ کی تلاش، ۱۲۔ ذات کا سحر ۱۳۔ امبر، ۱۴۔ شی جسٹ ایکسپائر ڈ ۱۵۔ روشن الاو ۱۶۔ دیوی سے داسی ۱۷۔ اڈیالہ جیل ۱۸۔ زرد خواب کے عنوانات مختلف جہتیں سامنے لاتے ہیں ان فصلوں (ابواب) میں مصنف نے اسلوب بیان، فنی اصولوں اور کرداروں کی نفسیات کو مختلف کوڈز اور کنڈکٹ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ پہلی فصل ہی اس قدر منفرد جہتوں کا انداز لیے ہوئے ہے جس میں کہانی کے گرد بنے حالات کی زنجیر بنائی گئی ہے۔ ناول میں ویکلی،، روشن آسمان،، کے فیچر سیکشن کی انچارج سارہ اور اس کا اسٹینٹ نعمان احمد کے کردار کے ذریعے صحافیوں کے کردار اور یکسوئی کے ساتھ معاشرتی صداقتوں کو بے باکی اور سنجیدہ فکری دائرہ کھینچتے ہوئے نعیم بیگ صاحب کہانی کے پس منظر میں جاری انتشار کو بھی ابھارتے جا رہے ہیں۔ چونکہ وہ بھی صحافت سے منسلک رہے ہیں اور میڈیا کے گرد جو جارحانہ رویے اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں ان سے بھی بخوبی آگاہی کا اظہار کیا ہے، جب ناول کا کردار نعمان سارہ سے کامیاب فیچر کا استفسار کرتا ہے تو سارہ یوں وضاحت دیتی ہے
۔

،،دیکھو سب فیچر ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں،
لیکن میں (صحافی) انہیں اس طرح سے پیش
کرتی ہوں کہ معاشرے کے ان مخفی سماجی پہلوؤں
کو اپنے قارئین کے سامنے کھلتے دیر نہیں لگتی
میری کوشش ہوتی ہے بلا تعصب شفاف پیش کر دوں۔
میرے سامنے میگزین کی پالیسی سے زیادہ اہم بات
سماجی روایات کو عالمی تناظر میں رکھ کر ذہنی
ترقی کو وسعت دینا ضروری ہے مجھے قاری
کو دیکھ کر فیچر نہیں دینا، اپنے ثقافتی رویوں
کے تنزل کو سنبھالنا ہے جو سماج میں اترتا
جا رہا ہے۔،، ۱۸

نعیم بیگ بحیثیت صحافی میگزین کے ساتھ صحافتی ذمہ داریوں اور میڈیائی پالیسیوں کے تناظرات پر موثر مکالمہ میں واضح موقف رکھتے ہیں۔ وہ ناول میں ثقافتی اصولوں کے نقوش میں یوں لکھتے ہیں:

سارہ جواب میں ثقافت کی بہترین وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے

،، کلچر اس کو کہتے ہیں، جو صدیوں سے ہم نے

یا ہمارے آباواجداد نے اپنایا ہوا ہے۔ کلچر

عقیدوں کی بنیادوں پر الگ نہیں ہوتا۔ وہ خطہ

کی لسانی و تہذیبی روایات کو لے کر چلتا ہے۔

تاہم عالمی منظر نامہ میں ہم نے تقریباً دو صدیاں

کالونیلزم کے سایے تلے بھی گزاری ہیں۔

اب ان کے لسانی اور تمدنی اثرات تو سماج پر آئیں گے۔،،۱۹

ثقافت کی سماجی تشکیل میں کون سے عوامل مروج ہوتے ہیں اور عالمی سطح ثقافتوں کی ترتیب کے معانی و مفاہیم کیا مرتب کیے گئے ہیں۔

مصنف نے ناول کے پلاٹ کو شعوری طور پر مختلف علوم کی روشنی میں گہرائی سے وابستہ کیا ہے۔ اور کہانی ربط و تسلسل سے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ تاریخ کا تڑکا، تہذیب و ثقافت اور کلچر کی توضیح کو بیان کیا۔ معاشرتی جبر کی وضاحت اور امپیریلزم کے تصور ریاست کی معنوی پرتیں کھولیں۔ تاج برطانیہ کا سامراجی نظام کیا ہے؟ کس طرح اس پر عمل کیا گیا ہے؟ وہ لکھتے ہیں:

،، شہنشاہوں نے اپنے نورتنوں کے ہاتھوں یرغمال

غریب و مفلس کو صرف زندگی گزارنے

کا حق دیا، انہیں طاقت کے بل بوتے پر

اپنی سلطنت کی سرحدیں بڑھانے کے لیے

استعمال کیا۔ لیکن فہم اور آگہی سے دور رکھا

، تاکہ ملوکیت قائم رہے۔ انگریزی نے

امپیریلزم کو قائم اور اسی کو مضبوط کیا۔،،۲۰

ناول میں مختلف علوم کی پرچھائیں کرداروں کی ذہنی و نفسیاتی سطحیں پلٹتی ہوئی آگہی سے مکمل کرتی ہیں۔ جس طرح نفسیات دان ڈاکٹر سلمان کا کردار جو اس ناول کے مرکزی خصوصی کردار،، علی کمال ہمدانی،، سے تعارف ہی رومانوی فضا میں ایک پرکشش اور جاذب نظر شخصیت کا مالک۔۔۔، علی کمال ہمدانی،، چوڑے ماتھے کے ساتھ سرمئی بالوں سے اٹی کنپٹیوں کے درمیان گہری سیاہ بھنویں، باریک ناک اور شفاف زردی مائل گال علی کو ایک خوبرو طلسماتی چہرہ عطا کر رہے تھے۔ مگر وہ،، شیزوفرینیا اور شدید وحشت کا شکار ہے، جس پر پل پل ان ڈفرنٹ رویہ۔۔ ہائی پوٹینسی دوائیاں بے اثر تھیں۔ صحافی سارہ کے انٹرویو کے دوران علی کمال ہمدانی کا شعوری احتراز اسے زندگی کے ظاہر و باطن کے بھیدوں سے آگاہ ہونے کی ان پر گرفت کی دلیل ظاہر کرتا ہے۔

انسانی شعور کرب و اذیت میں حقیقت سے انکاری ہو کر معاشرتی دباو کی علامتیں نمایاں کرتا ہے۔ علی کمال ہمدانی خوف اور ذاتی الجھنوں کے زیر اثر بولتا ہے۔

،، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ میرے بارے میں کوئی بھی ذاتی سوال نہ کریں؟،،

ایک قلم کار کس ہوشیاری اور سمجھداری سے معاشرتی ڈوپلو میسی اور منافقت اور معاشرتے میں لوگوں کی ذات کے خول کو توڑنے کی سعی چابک دستی سے کی ہے۔ علم نفسیات کے مطابق شخصی اور ذہنی تہوں میں دباو اور کشمکش کو نمایاں کیا ہے۔

نعیم بیگ صاحب علی کے کردار کی نفسیاتی الجھنوں کو کھولنے کے لیے ڈاکٹر سلمان جو سکائزسٹ ہیں ان کے توسط سے علمی گفتگو پیش کی جو کردار کی سماجی ساخت اور پوزیشن پر روشنی ڈالتی ہے اور بیرون بینی کے ساتھ اندورن بینی معنویت کی ترتیب پر مختصر اسلوبیاتی پہلو روشن کر دئے ہیں۔ یہاں قابل توجہ علمی گفتگو ہے

ڈاکٹر سلمان تفصیلا ذہنی عوارض کے حوالے بنیادی وجوہات علامات بیان کرتے ہیں۔

شیزوفرینیا ایک ایسی , SCHIZOPHRENIA,

بیماری ہے جو مریض کے ذہنی خلیات کے

اندران کی کیمسٹری میں مسلسل ردوبدل

کرتی رہتی ہے اور کسی بھی معتدل ہموار

رویئے کو پنپنے نہیں دیتی۔ ایسا عموما دو

وجوہات کی بناپر ہوتا ہے، ایک مورثی جرثومے

، دوسرے وہ جرثومیاتی غیر متوازن کمی

بیشی جو مسلسل بیرونی ذہنی دباو کے تحت اعصابی و

عضلاتی نظام کو متاثر کرتے ہیں، اور بعدازاں

ایسی بیماری میں بدل جاتے ہیں، جہاں رد عمل

عمل سے کئی گنا بڑا اور ناہموار ہوتا ہے۔ جس

سے جسم کے دیگر اعضا میں غیر فطری طاقت

نمایاں نظر آتی ہے جسے ہم وائلنٹ ہونا یا متشددانہ

رویہ کہتے ہیں۔،، ۲۲

سب سے اہم بات یہ ہے کہ بحیثیت قاری یہ دیکھتا ہے کہ اس عمر میں شیزوفرینیا جیسی بیماری کیوں کر مریض کو اپنا شکار بناتی ہے اور بڑی شدت سے مریض کو قریب المرگ کر دیتی ہے؟

صحافی سارہ،، علی کمال ہمدانی،، کے کردار کا تزکیہ نفس یا تحلیل نفسی (نفسیاتی طریقہ علاج برائے سگمنڈ فرائیڈ ۱۸۵۶ کے طریقے سے اسباب و وجوہات کی تہہ تک پہنچنا چاہتی ہے۔ دوسری فصل بہ عنوان،، روشن آسمان،، میں مختلف مدراج ابھرتے ہیں سارہ کی علی کمال کی طرف ہمدردی، توجہ اور التفات سے علی کے کردار کا تناو کم ہوتا ہے اور وہ خود کہہ دیتا ہے کہ

،، میں اس سماج کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔۔

جو نہ صرف میری بیماری کا سبب اور باعث

بنے بلکہ میری طرح لاکھوں نوجوانوں کو

اجاڑ چکے ہیں۔،،۲۳

آزادی۔۔۔انسانی زندگی کا وہ پہلا پھل ہے جو کائنات اسے انعام میں دیتی ہے۔ہمارا سماج، معاشرت عقیدے سب مل کر فطری انسانی ازادی کو مل بانٹ کر کھا لیتے ہیں اور آدمیت کے جفاکش جسم پر صرف قانون اور کوڑوں کے نشان باقی رہ جاتے ہیں۔اس طرح کے بے شمار مکالمے انتہائی جاندار اور سماجی جبر واستعمار، انسانی قوانین کے خلاف پرزور مذمت اور مزاحمت کا انداز لیے ہوئے ہیں جو یقعنا ایک حقیقت شناس ذہن کا عکاس ہے۔تجربہ، اکتاہٹ مشاہدہ گہرائی بین السطور بالائی معنوی دیواریں گراتا آگے بڑھتا ہے۔

یہیں ہمیں،، علی کمال ہمدانی،، کے مرکزی کردار کی صلاحیتوں، خوبیوں کے تعارف اور ہم کلامی کی تمہید، گفتگو میں کمال ربط مصنف کے بلند تخیل کو مابعد جدید نو آبادیاتی انسانی سماجی، رویوں کے خلاف مضبوط مزاحمتی ستون دکھائی دیتے ہیں جو اس سارے منظر کی تہہ تک رسائی بھی رکھتے ہیں۔گہرائی سے ابھر کر منظر نامے کی سطح پر تیرتے اور پھر ڈوبتی ابھرتی لہروں کے سنگ تہذیبی بدلاو کو اختیار کرنے کا قدم بھی اٹھاتے ہیں۔

فصل ۴۔،، باد مراد،،

اولاد کی نعمت انسان کی تکمیل ذات کا زریعہ سمجھی جاتی ہے علی کمال ہمدانی کے والدین نے بھی متھ پر اعتقاد کے نتیجے میں کلیان شریف کے سنسان مزار پر چلہ کاٹنے اور چالیس دن جنگل کے اندر کسی مزار پر بلا کسی سہولت رہائش پذیر ہوئے جبکہ مزار پر کوئی مجاور نہ تھا، اولاد کی تمنا انسان کو کس حد تک لے جاتی ہے، جس طرح مغل باد شاہ جلال الدین محمد اکبر نے تیاگ لیا، یوں گھور تپسیا کا نتیجہ علی کمال کی دنیا میں آمد کا سبب ہوئی۔

اس باب میں نعیم بیگ صاحب نے ہجرت کے تلخ تجربات اور تحریک آزادی تقسیم سے قبل کے رشتے سماجی ماحول کے شیرازے کا بکھرنا اپنی جڑوں سے ٹوٹنے کا المیہ ماضی کی بازیافت، گمشدہ تہذیب کی کڑیوں کو ایک ربط میں لانے کی کامیاب کوشش کی اور واقعات کی زمانی ترتیب مصنف کے ذہن کو کہانی کے پلاٹ کو رومانوی، تاریخی اور سماجی تسلسل سے منسلک کرتی ہے اور کچھ وقت کے لیے سیاسی نوعیت اور واقعات میں ارتباط کا سبب بھی ہے۔

لکھتے ہیں،، علی کمال کی زبانی،،

جب میں سب کچھ سنتا ہوں تو اکثر سوچتا ہوں

کہ ہندوستان کی تقسیم میں جس زمانی ترتیب

نے اپنا کردار ادا کیا، ان میں پاکستان کی آزادی

کا ابتدائی خیال، خطبہ الہ آباد، چالیس میں قرارداد

پاکستان، چھیالیس میں ہندو مسلم فسادات عروج پر

اور سینتالیس میں آزادی اور تقسیم کا اعلان۔۔۔۔۔۔

ان رونما ہونے والے واقعات میں کس قدر مماثلت تھی،

جہاں کسی ملک کی بنیاد رکھی جا رہی تھی،

وہیں لاکھوں خاندانوں کی بنیادیں ہل رہیں تھیں۔،،۲۴

تقسیم ہند کے سیاسی پہلوؤں میں آزاد ممالک کے درمیان ریڈ کلف ایوارڈز میں کھینچی گئی تقسیم کی لائن عوامی سطح پر آخری وقت تک خفیہ رہی۔ نقل مکانی کے مرحلے میں ۴۶ لاکھ تقریباہندو سکھ تھے جبکہ ۶۰ لاکھ مسلمان۔۔۔۔ڈر اور خوف کے ساتھ آزادی کو قبولا گیا۔ ہجرت ماضی کی کسک اور نئی دھرتی سے منسوب نئی منزلوں کے خو

اب جو بعد ازاں عفریت میں بدل گئے اور ان کا ماضی صرف یادوں کا ویران اور اجڑا قبرستان بن گیا۔ ناصر کاظمی نے اسی کیفیت کے لیے لکھا:

یاد کے بے نشاں جزیروں سے

تیری آواز آرہی ہے ابھی ۲۵

یہاں مصنف نے آزادی کے اہم فلسفے کی معنویت کو نئے معنی دیئے جو سماجی، معاشی، تہذیبی حوالے میں یوں سامنے آتے ہیں۔

کہنے اور بولنے کی آزادی روح کو معطر کر دیتی ہے۔ سماجی رویوں میں ثقافتی آزادی نئے معاشروں کو جنم دیتی ہے، طبقاتی تفاوت کو ختم کر دیتی ہے انسانوں کو انسانوں کے قریب لاتی ہے اور ایسے سماج کو تشکیل دیتی ہے، جہاں امن و شانتی اور مسلکی عقیدوں کی بیساکھیوں سے بے پرواہ مذہبی احترام روا رکھا جاتا ہے۔۔۔۔پہلا بھلا کیا ہو رہا ہے، انا پرستوں کا ایک جتھہ جمع ہو گیا ہے اور کچھ نہیں۔

اگلی فصل،، گرچ نما،،۔۔۔۔۔۔۔۔پہلی بار میں کہانی ناول میں رومانوی فطری میلانات سے علی کمال ہمدانی کے گرد منسلک کرداروں کے جذباتی، معاشرتی رویوں کے رنگ ہلکے اور شوخ تاثر سے انسانی اور جیتی جاگتی زندگی کا رخ سامنے لاتے ہیں، جو ناول کے کرداروں کی تاثیر کو اپنے عمر درجہ، رتبے فطرتی جبلتوں کی پراسراریت کو کھولتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح علی مکالماتی انداز میں سوچتا ہے کہ میرے من کی آشا، دنیا کی جستجو اور کائنات کی وسعتوں کا پودا ابھی اپنی کونپلوں کو انکھوا سے پھوٹتے دیکھ رہا تھا اسے فطرت کے سخت موسم کی ضرورت تھی۔ دوستوں سے ملنا، موسیقی، سیر و تفریحی اور سیاسی شعور اور پھر ۱۹۷۱ مشرقی پاکستان سے علیحدگی کا بیانیہ ناول کا ایک نیا موڑ سامنے لاتا ہے۔ گرچہ جنگ ہارنے کے بعد ملک کا ایک بڑا حصہ جدا ہوا قومی فکر پر مایوسی پر افسوس کی کیفیت طاری تھی اور سوالات کا لامتناہی سلسلہ مقابل تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ؟ کیوں ہوا؟ نوجوان طبقے تک حقائق کی آگاہی ناممکنات کے قریب تھی مگر فضا میں سکون اور نجات کا احساس نمایاں گرچہ جسم کا اہم حصہ (مشرقی پاکستان) کٹ گیا، مگر اس تکلیف میں باقی جسم (مغربی پاکستان) کو تحفظ ملا،، تاریخی اور سیاسی نزاکتوں کے درمیان عام آدمی کی سوچ پر کیا اثرات مرتب ہوئے اس پر مصنف نے کڑی گرفت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

،، جنگی قیدیوں کی واپسی اور بنگلہ دیش کے

قیام کو تسلیم کرنا بڑا مسلہ تھا، لیکن اس سے

پہلے آئین پاکستان کی تشکیل نو شاید سب سے

اہم کام تھا۔ ان دنوں ریاستی سطح پر نت نئے

فیصلوں سے ملت نو کی تشکیل بہر حال ایک

مثبت کام تھا۔،، ۲۶

علی کمال ہمدانی اپنے دوست خان جمال کے ہمراہ یورپ کے سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ روزگار اور نئی منزلوں کی تلاش کی جستجو تہذیبوں کے تصادم معاشرتی، سیاسی، نظریاتی تفاوت نئے پہلوؤں کے دریچے وا کرنے کا باعث ہے۔،، جہاں گردی،، کا نیا راستہ بہ راستہ افغانستان، ایران، ترکی سے یورپ کی سرزمین پر قدم بوسی کے راستے میں کئی تجربات سے آگاہی میں علی کمال ہمدانی اپنے دوست خان جمال کے ساتھ سفر نامہ کے تیکنکی خوبیاں بین السطور واضح کرتا جاتا ہے۔ مثلا منظر نگاری کے رنگا رنگ مرقعے ناول کے فنی محاسن نمایاں کرتے ہیں۔

ریت کے ذروں کو جب ہم وقت پیما کے جار میں ترتیب سے ایک
دوسرے کے پیچھے گرتے دیکھتے ہیں، تو نظم وضبط اور توجہ
اس کا پہلا سبق ہوتا ہے ہم نے طے کر لیا تھا کہ یہ سفر اسی توجہ
نظم وضبط کا پابند رہے گا۔،، ۲۷

قندھار سے مشہد کے سفر کے دوران ایک خوش لباس، جاذب نظر شخصیت، کنپٹیوں پر سفید بال اور بارعب چہرہ ایک منفرد کردار پروفیسر ڈاکٹر اقتدار حسین، پشاور یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے استاد علمی، ادبی، سیاسی نظریات کے پروگریسو مفکر جنہیں ۱۹۶ کی جنگ میں،، جنرل ایوب خاں،، کے دور ملک بدر کر دیا۔ مجیب الرحمن کی عوامی لیگ کے ساتھ کی وجہ مارشل لا اور ایبڈو قانون کے ذریعے نوکری سے برطرف کر دیا۔ ریاستی اور انقلابی سوچ پابندی نتیجہ ہے۔ اب وہ میلانو یونیورسٹی اٹلی میں ایشین سٹڈیز کے چیئرپرسن ہیں۔ تمام سفر میں پروفیسر اقتدار کا کردار بظاہر ایک موٹیویشنل سپیکر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جو ناول کی تعارفی روح میں تاریخی، سیاسی مشینری کے مقاصد، ان کا بظاہر مطمع نظر اداروں کی داخلی کاروائیوں کے اغراض ومقاصد سے لے کر ان کے وضع کردہ نوآبادیاتی نظام اور پالیسیوں پر تنقیدی نگاہ ناول کے موضوع میں دلچسپی اور اہم تناظر لئے ہوئے ہے۔ پروفیسر اقتدار کا کردار بائیں بازو کی سیاست پر کاربند تھے مگر سیاست سے کچھ مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے واضح کیا شملہ معاہدہ کے مخفی خطوط کیا تھے؟ گاندھی اور بھٹو کی تنہائی میں ملاقات ،اتفاق واختلاف رائے کیا تھے؟ معاہدہ ہو گیا فوجیں انٹرنیشنل باڈر زپر واپس جائیں گی۔ دونوں ملک ایک دوسرے کے مفتوح علاقے واپس کریں گے۔ کشمیر کی سرحد لائن آف کنٹرول مقرر، سیز فائر پر اقوام متحدہ کی مانیٹرنگ لازمی ہے۔ بنگلہ دیش سے جنگی قیدیوں کی واپسی کے معاہدے پر حکومتی پالیسی کی تائید ی رائے پر وفیسر اقتدار کے گہرے سیاسی مطالعے اور عملی کردار کا غماز ہے۔

علی کمال ہمدانی سے استنبول کے سفر میں ویزہ اور امیگریشن معاملات کے ساتھ بطور سیاح مختلف ملکوں کے کلچر تہذیب، جغرافیائی خدوخال اور ہر نئے شہر کی تاریخی، معاشرتی زندگی کے نقش عین فطری احساس سے بیان کیے ہیں یہ قابل ستائش پہلو نعیم بیگ صاحب کی تحریروں کا خاصا ہے کہ وہ قاری کو ہپناٹائز کر کے ذہنی شراکت کا رتبہ عطا کرتے ہیں، ناول کا قاری عموماً کہانی میں رونما ہونے والے واقعات کے ساتھ تفہیم کے مدارج بہ آسانی طے کرتا ہے۔

ناول کی فنی تیکنک میں منظر نگاری ایک کلیدی پہلو ہے اور یہی اصول ناول کی تمام جہتوں کو فطرت اور زندگی کے حقائق سے قریب تر کرنے کا باعث ہے۔ نعیم بیگ صاحب نے مختلف تہذیبوں، علاقوں مدارج کے مناظر کی بھرپور عکاسی کی ہے ایران اور ترکی کے بہترین مقامات،، موسموں کے رنگ اور مناظر کا تذکرہ حقائق اور فطری انداز کی ترجمانی ہے بازرگان کے موسم کا ابر آلود ہونا، تیز سرد ہوا کا ماحول کو یخ بستہ بنانا پہاڑوں پر برف کا گرنا یا برسات کا مسلسل برسنا ہو یا قومی تفاوت کا احساس ہمسایہ ممالک کے درمیان تعلقات پر اثرانداز ہوتی ہے، پاکستان اور افغانستان کے باڈر پر تقابلی تناظر میں استعماری اور جبر کی طاقتوں کا غلبہ جیسے تیسری دنیا کے ممالک طاقتور اقوام کے مقابل کمزور بکری کے میمنوں کا ہاتھیوں سے مقابلہ ہو۔ انسان پرستی، اخلاقی قدر وقیمت، حسن سلوک احساسات الگ تھے اور ہمارے ترقی پزیر ممالک کے لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے غربت کی لاٹھی کے سہارے اپنی زندگیاں رینگنے پر مجبور تھے۔ معصوم بچوں کو ایک وقت کی روٹی میسر نہ ہونا، کوڑے کرکٹ کے انبار تلے دبی باسی خوراک مجبور وبے کس انسانوں کی زندگی کا بھرم رکھے ہوئے تھی۔ اور یہ سوچ دو تہذیبوں کے درمیان گھری قوم کی آزادی سے مایوس احساس بنیادی سوالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کیا اسی لئے آزادی چنی گئی تھی؟ ہندوستان کی مسلم لیگ نے اس مملکت کی بنیاد رکھی تھی، تو کیا انہیں اس کا ادراک نہیں ہوا کہ ان کے بعد قوم کو کیسی قیادت میسر ہو گی؟ قائد اعظم نے کھوٹے سکوں اور ٹائپ رائٹر کا ذکر کیا، نعیم بیگ صاحب نے قیام پاکستان کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے مملکت کے آئین کے نفاذ میں جو سیاسی وعمرانی دشواریاں درپیش تھیں او

قوت کے سرچشموں نے قانون پر تسلط قائم کیا ہوا ہے۔ عمرانیات کے اصولوں کے تناظر میں عمرانی معاہدے کے ٹوٹنے سے قومی یگانگت اور قوم کے تصور اور مقامی قوت کے بکھرنے میں رکاوٹ حائل نہیں تھی۔

علی کمال ہمدانی،، کا کردار ملکی اور قومی تنزل کے تقابل پر ہمکلامی سے فکری پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔

،،ان کا وجود کسی بھی قوت اجتماعی وآزادی سے

نکل کر اپنی فطری آزادی کی طرف لوٹ جاتا ہے،

لیکن یہاں ایسا بھی نہ ہو سکا۔ لوٹ جانے کے سبھی

راستے مسدود تھے۔ مذہب کی بلند و بالا برجیوں

والی فصلیں چاروں طرف کھڑی کر دی گئی۔،، ۲۸

پھر آگے بیان یوں کرتا ہے کہ مصنف کے نظریہ آزادی کی وضاحت سامنے آتی ہے:

،،انسانی فطری آزادی غیر مرئی معاہدہ عمرانی کے تحت پہلے اسیر

ہوئی اور پھر معاشرتی گراوٹ کی قوت کے تحت سلب ہوئی۔

طاقت ور اشرافیہ اس گروہ کا سرغنہ بن گئی، ریاستی آزادی تو ایک

ایسے چمن کا نام ہے جس کی مہک دور تلک خود پہنچ جاتی

ہے، اس میں افراد اپنی قوت کو اجتماعی قوت کے حوالے کر دیتے

ہیں۔ یوں یہ اجتماعی قوت کی شکل میں تمام افراد کی معاشی اور

سیاسی آزادی کا خیال رکھتی ہے۔،، ۲۹

خیالات کے لامتناہی سلسلے کے ساتھ علی کمال تہذیبوں کے تصادم کے ساتھ سفر کے مراحل سے آگے بڑھا اور اپنے دوست خان جمال کے استنبول مشرقی اور مغربی حصوں احمت پاشا سے باسفورس اور سلطان احمت کے راستے یورپ کا سفر آگے جاری رکھا۔ ٹرین اور،، اورنیٹ ایکپریس،، استنبول سے پیرس میں سوار،، میونخ،، کے لیے آگے بڑھے۔ بالی وڈ کی اکیڈمی ایوارڈ یافتہ فلم،، مرڈر اون دی اورینٹ ایکپریس،، فلم، آرٹ فنون لطیفہ کے حوالے سے ایک دلچسپ حوالہ ہے۔

دوران سفر، علی کمال ہمدانی،، کی یورپین مسافر لڑکی جینی سے دوستی اور قربت مخلوط انسانی فطرت کے باعث ہوئی اور جینی جو امریکن شہری ہے اور سان فرانسسکو سے تعلق رکھتی تھی، اس کا باپ آئرش اور ماں جرمن تھی ایتھنز سے واپس امریکہ جانے والی تھی، علی کمال سے جرمن کلچر اور فلسفیانہ فکر، اور نطشے، کارل مارکس اور ایگلنز کی فلاسفک تھیوریز پر تبادلہ خیالات کرتی ہے، ناول کے فن ربط کے ساتھ کہانی میں انفرادی احساسات اور رومانوی جبلی رویوں پر گرفت موضوع کو فطرت کے قریب تر کرنے کا باعث ہے۔ علی کمال سمجھداری اور حقیقتوں کے ادراک اور اپنے مضبوط سماجی مستقبل کے آدرشوں کے ساتھ،، محبت،، اور وابستگی کو تیاگ دینا معمولی سمجھتا تھا۔ وجودی تحریک کے تحت ذاتی تحفظات اور جبلی احتراز کو مد نظر رکھا۔

علی کی ہم کلامی سے مزید وضاحت ہوتی ہے:

،،میں نے اپنے آپ پر قابو پانا سیکھ لیا تھا۔ میرے لیے اپنی ذات کی

موریلٹی زیادہ اہم تھی، گو میں کسی کو جواب دہ نہ تھا، میرے اندر
ایک خود کار نظام کام کر رہا ہے جو گاہے بہ گاہے سرزنش
کرتا رہتا ہے۔،، ۳۰

محبت گرچہ فطری جذبہ ہے بلا جواز آغاز ہوتا ہے اور بنا سبب اختتام کر دیا جاتا ہے۔ مختصر محبت سے آگے کا نیا پڑاو ایتھنز یونانی ساحلی شہر میں ہوا۔
،،فلنگ سول،، فصل ۸ میں علی کمال ہمدانی کا مرکزی کردار اور خان جمال ایتھنز سے پندرہ بیس کلو میٹر پر واقع شہر،، پیرئس،، میں نئی منزل منتظر تھی۔ سٹریٹ لیمپ پولز پر ٹھٹھرتی ٹمٹماتی روشنی کے سائے مین خوابناک ماحول کے ساتھ شہر کے آسیب زدگی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یخ بستہ سمندری ہوائیں نئے مسافروں کو دامن مین سمونے کو تیار تھیں۔ یوتھ ہوسٹل،، میں قیام ہوا اور پیرس میں سیاحوں کی آمد یونان میں ایتھنز کے راستے داخل ہوتے،، پیرس،، میں بحری بیڑوں اور جہازوں کی مرمت کی جاتی تھی، میرین ورکشاپس میں دنیا بھر کے بحری جہاز نوجوانوں کو یورپ لانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ علی کمال کو بھی اس میں جزووقتی ملازمت ملی جو جرمنی کے سیاح طلبا ہیمبرگ یونیورسٹی سے تعلق رکھتے تھے،، نریندر کمار،، نامی ایشین طالب علم کارگو کی مرمت کا وقتی کام دلوانے کا وسیلہ بنتا ہے۔ جرمن لڑکی،، پامیلا،، جہاز کے کیپٹن کی رشتہ دار تھی۔،، کروز کنگ،، نامی براجہاز،، علی کمال،، کی پہلی روزی کے لیے دروا کئے کھڑا تھا۔

جہاز میں تفویض کئے کام کی نوعیت سے ہراساں علی کمال کا چہرہ اس کی دلی کیفیات کا غماز تھا اور کیپٹن علی کے ڈر اور جھجک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جملہ بولتا ہے کہ :

,, YOU FUKING SOUL DON'T BE AFAIRD < SEA IS YOUR FRIEND.,,

(،،اوہ بے وقوف روح، ڈرو نہیں، سمندر تمہارا دوست ہے۔،،)۳۱

زندگی کے تجربات سمندر کی تند و تیز لہروں کا عکس ہوتے ہیں۔ سمندر کی بپھری لہروں کے ساتھ ہتھوڑا، اور چھینی لئے مقدر کی جمی کائی صاف کرنا ایسا ہی تھا جیسے ملک گھر، والدین رشتے ناتے سے دور خوابوں کی تعبیر کا زہر پینا اس الجھن میں مبتلا کرتا ہے کہ ایسا ممکن ہو سکے گا؟

یورپ کے سفر کے لئے دیکھے گئے سنہرے خواب اور خوابوں کے شیش محل میں وقت کی ریت مٹھی میں دبائے تند و تیز سمندری لہروں کے بہنے لگا۔

نئی فصل ۹،، ایکروپولس،، ناول کے مرکزی کردار کے لئے یہ فصل اہم موڑ بھی ہے کیونکہ ایک نیا پہلو منتظر ہے جس کے زیر اثر تجربات آگے بڑھیں گے۔ خان جمال کی دوست جارجیا سیریفورس جزیرے سے تعلق رکھتی تھی۔ جو ایک فیکٹری میں کام کرتی تھی اس کے توسط سے علی کمال اور جمال کو فیکٹری کے مالک یورگو سے ملوا کر کام مل جاتا ہے۔ کیل پیچ، نٹ بولٹ اور واشل بنانے کی فیکٹری تھی جہاں مختلف گیج کی موٹی، پتلی آہنی چادریں یا شیٹس ان لوڈ کرنے اور لیتھ میشنوں تک پہنچانے کی ذمہ داری تھی یہ کام جارجیا کے ذریعے سے ملا تھا۔ یہی علی کمال کی ملاقات جارجیا کی دوست جو سیر سیفورس جزیرے سے تعلق رکھتی تھی اور لتھ مشین پر کام کرتی تھی۔،، دیا،، خوبصورت حسین و جمیل یونانی حسن کا مرقع دراز قامت تیکھے نین نقش، گہرے براون بال، بھوری آنکھیں جاذب نظر وجود مسحور کن سحر زدہ کر دینے والی کرزمیٹک شخصیت کی مالک تھی۔ اس کے والدین نے اس کا نام گریگ گاڈس،، دیا،، کے نام پر رکھا تھا، قدیم اساطیری حوالوں میں انسانی تہذیب اور معاشرت مذہبی کرداروں کی علامت لاشعور کے تہہ خانوں میں محفوظ مخصوص علامتوں میں ڈھل جاتے ہیں۔

خان جمال اور علی کمال ہمدانی اپنی نئی یورپی دوست جارجیا اور دیا کے ہمراہ ایکروپولس،، کے مقام پر تفریح کے دوران ڈاکٹر اقتدار سے اچانک ملاقات کرتے ہیں جو اپنے طلبا کے ہمراہ ایکروپولس کے تفریحی دورے پر آئے تھے۔ اور اچانک علی کمال ان سے ملتا ہے۔ اور علی کمال پروفیسر اقتدار سے جارجیا اور دیا کا تعارف کرواتا ہے سیریفورس کے ذکر کے ساتھ ہی

ڈاکٹر اقتدار بہت ہی علمی حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ علی کی دیا یعنی،، آسمانوں میں بسنے والی طاقت کی علامت اور فیمنسٹ اقدار کی حسین دیوی یہ اساطیری علامتیں ناول کے حرکی کرداروں کی روح ہیں اور جارجیا ایک منفرد دیوی انگریزی ادب مین جارجین ازم ادبی صنف میں مکمل شعری تھیوری کی پہچان رکھتی ہے۔

دیا،، طاقت کی دیوی کا ڈیوس،، قدیم یونانی اساطیر میں،، خدا کہلاتا ہے۔ علی کمال ہمدانی ناول کے مرکزی کردار کا حسن اور دیا، علی کمال کی منظور نظر،، ناول کا نہ صرف عنوان بلکہ کہانی کا پلاٹ قاری کی سوچ کو یا تو یونانی تہذیب کی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہے یا پھر کسی رومانوی داستان کے تخیل کی جانب۔ مگر داستان میں عملی زندگی دشواریاں، جدوجہد اپنے ساتھ عہد کی تلخیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ اسی ملاقات میں پروفیسر اقتدار علی کے سوال،، رومنز ایمپائرز کے بارے وضاحت کرتے ہیں مغربی رجحانات علوم کا تعارف کراتے ہوئے پروفیسر اقتدار کے مطابق رومنز امپائرز اپنی فلسفیانہ توجہیات یونانی فلسفے کو فوقیت دیتے تھے انہوں نے وقت کے تقاضوں کے مطابق یونانی فلسفے کو مد نظر رکھ کر قانونی بالادستی کو ثقافت سے وابستہ کر دیا۔ جدید سائنسی علوم کو ترجیح بنایا جن میں حیاتیات، فطرت کا گہرا مطالعہ، اور،، اپی قوریت اہمیت کی حامل ہے۔،، بقول افلاطون:

،، چھ صدی قبل مسیح جب یونان فلاسفروں نے یونانی ثقافت کی بنیاد
رکھی، تو اس میں جمالیات و آرٹ، عمرانیات، مابعد الطبیعات،
خیالات سر فہرست تھے۔،، ۳۲

علی کی فلسفے میں دلچسپی کو مصنف نے منفرد انداز مین تجسس اور کرید استفہامیہ انداز مین بیان کیا ہے۔

اپی قوریت یعنی ذہنی لطف یا تلذذ جو کسی حد تک افلاطونی فلسفے کی ضد ہے قدیم یونانی تہذیب اپی قورس طرز زندگی کا تخلیق کردہ ہے، جس کے مطابق ذہنی و جسمانی قوتوں کے اظہار میں لطف و تلذذ اہم اور جذبات کو نظر انداز کرنے کے لیے الگ انسانی قوتوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔ دراصل قدیم یونانی تصورات الوہی وجود اور مافوق الطفرت خداوں کے خوف کی تردید کو لازمی قرار دیتا تھا۔ اسی سے مبسوط مکالمے مین علی کا سوال اہمیت کا حامل ہے کہ کای خوف بنیادی عنصر نہیں جس نے ان الوہی طاقتوں پر انحصار کرنا انسان کو سکھایا تھا؟ پروفیسر اقتدار خوف کی وجوہات بائیو کیمکل اور جذباتی سطح پر وقوع پذیر ایسے ٹروما کو قرار دیتے ہیں جو لطف و لذت کے جذبات کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، انسانی ذہنی سطح کو کسی بڑی طاقت کے حفاظتی حصار مین منتقل کرتے ہیں۔ قدیم یونانی فلسفہ اپی قورس،، مادیت پسندی کی تھیوری کو آگے بڑھاتی ہے۔ اسکے بعد علی اور ڈاکٹر اقتدار کے مکالمے میں ایجنگ اور ری جنریٹنگ بیالوجیکل سسٹم اور توانائی کے مادی صورت حال پر دلچسپ معلوماتی تبادلہ خیال ایک اہم سوال کی طرف بڑھتا ہے جہاں علی پر شوق انداز میں استفسار کرتا ہے، کہ جسم اور روح کے درمیان موت کے وقفے کو سمجھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے ایجنگ سے جوڑتا ہے مگر پروفیسر اقتدار وضاحت موئثر انداز میں ہوتی ہے۔ یہ اینٹی سائینسی توضیح ہے۔

،، کیونکہ موت ایسا مرحلہ ہے جو مادہ کو اس
کی اولین حیثیت، یعنی غیر مرئی حالت میں لے
جاتا ہے، جسے اپنے عنصر کے روپ میں ہمیشہ
کائنات میں زندہ رہنا ہے روح ایک کرنٹ کی مانند
آف ہو جاتی ہے، یہ جسم سے تو ختم ہو جاتی
ہے لیکن اس کا وجود اس کے جنریٹنگ سسٹم میں
محفوظ رہتا ہے۔،، ۳۳

ناول میں مابعد الطبعیات، مذہب عقل، مادہ دنیا، وجود، حواس، الہام، سائنسی منطق کے بے شمار موضوعات پر دلچسپ مدلل مباحث مصنف نعیم بیگ کی ذہنی اپج جدید علوم علم وجود فلسفہ میں خصوصی دلچسپی کو سامنے لاتے ہیں، پروفیسر اقتدار کے مدرسانہ لیکچرز اور مدلل مباحث سے ظاہر ہوتا ہے۔ ناول میں منفرد جہتوں کی غمازی عصری ادب سے الگ علوم کے دائروی ترتیب میں کی گئی ہے۔

وہ لکھتے ہیں،، روز قیامت انسان کا دوبارہ زندہ ہونا قابل یقین ہے۔

یہ مذہبی الہام ہے۔۔۔۔۔۔۔ایسے الہامات کی تفہیم،

اگر سائنسی حوالوں سے مستند ہوتی ہے، تو کیا

قباحت ہے لیکن ہمیں سائینسی کے مفروضوں پر

اپنے علم میں مزید کھوج کے دروازے کھولنے ہیں،

کیونکہ مزہبی الہام ایک خاص سطح پر جامد ہو

جاتا ہے۔ یہیں سے سائیس کا کام شروع ہوتا ہے

جہاں سوال ہی بنیادی جوہر ہے تحقیق و تخلیق کا

سوال اٹھے گا، تو ارتقائی عمل میں مفروضوں کو

بنیاد بنا کر تسخیر در تسخیر کا عمل جاری رہے گا۔،، ۳۴

علی کی دلچسپی کے مطابق پاکستانی سیاست، وطن پرستی، مشرقی پاکستان کی تقسیم، ریاستی اداروں کی کارکردگی پر سنیجدہ گفتگو نے کہانی میں فطرتی ذہنی ارتقا اور کرداروں کے زندگی کے تجربات اور مشاہدات جہاں گردی کو گرفت میں لیا ہے۔ ساختیاتی پیراڈائم میں موضوع کی افقی سطح پر لہراتے معانی اپنے وجود مُن داخلی اظہار کے کوڈز خود وضع کرتے ہیں اور معنی کی پرتیں علوم در علوم موضوع کو جامعیت عطا کرتے ہیں۔ پروفیسر اقتدار کا کردار ان موضوعاتی مباحث سے ناول کو گہرائی عطا کرتے ہیں۔ فصل ۱۰۔ ڈریگون سائن،، مرکزی کردار علی کمال اپنے ذاتی تجربات سے گذرتے ہوئے ذات کے بھیدوں کے انکشاف پر وطن سے دوری کے تجربات معاشی پہلوؤں پر گہرے استغراق میں مبتلا اور،، دیا،، سے اظہار جزبات کے لیے اور لایعنیت سے دور منطقی استدلال سے فیصلے کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ دیا علی کو جسے وہ گریک میں،، یور گومین،، کہہ کر پکارتی تھی احساس دلاتی ہے کہ تمہاری منزل تمہارے سامنے ہی ہے۔ تمہیں صرف گہرائی سے اس کی طرف دل کی نگاہ سے مائل ہونا ہے اور تمہاری پیشانی پر ابھرنے والی روشنی چائنز آسٹرولوجی میں اسے ،،ڈریگون سائن،، کہتے ہیں۔ جس کے روشن الاو سے تمہاری منزل تمہارا راستہ تمہیں اپنی جانب کھینچ لے جاتا ہے۔

یہیں علی کمال،، حقیقی یور گومین،، (جس کے مقدر میں بڑے مقصد لکھے گئے ہیں)، ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اور یوں ڈیوس اپنی دیوی،، دیا،، کو ناراض کر کے واپس متی کا قرض اتارنے لوٹ آتا ہے۔

فصل ۱۱ سچ کی تلاش،، فصل ۱۲ ذات کا سحر میں مصنف لکھتے ہیں علی یورپ سے واپسی پر پولیٹکل سائنس میں ماسٹرز کرتے ہوئے اپنی پروفیسر مسز کرسٹینا درانی کے بیٹے حمزہ کی دوستی اور کچھ کر گزرنے کے شوق میں سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان میں نمایاں کامیابی کے بعد س کی تلاش کا نیا سفر شروع کرتے ہیں مسز کرسٹینا درانی کے بیٹے حمزہ نے اپنی دوست کلاس فیلو فاخرہ سے پروفیسر جہاں آرا کی وساطت سے نکاح کیا جس کی وجہ سے فاخرہ کے والدین جاگیرانہ پس منظر اور مذہبی ٹکراو، مفادات اور سیاسی نظریات کے ٹکراو سے میڈم جہاں

آرا کو یونیورسٹی ملازمت سے فارغ کرادیا گیا۔ کیونکہ میڈم جہاں آرا مختلف سیاسی شعور اور فکری آگہی کی حامل تھیں۔ علی کمال کے ساتھ ان کا یہ مکالمہ سیاسی بصیرت کو سامنے لاتا ہے:

،،میڈم جہاں آرا کا خیال تھا کہ امریکہ پاکستان کو اپنی کالونی سمجھتا ہے،
وہ چاہتا ہے کہ اب بچا کچھا پاکستان امریکی عالمی ایجنڈوں کے لئے بچا کر
رکھا جائے۔ بعد میں افغانستان میں روسی فوج کے اترنے اور پاکستان کی
پالیسیوں نے یہ بات کنفرم کر دی۔۔۔۔۔۔۔۔تم دیکھو گے علی!۔۔۔امریکہ کو کسی
قیمت پر پاکستان کا نیوکلیر طاقت بننا منظور نہیں۔ فرانس سے ایٹمی
ریپروسسنگ پلانٹ کا معاہدہ بھٹو کی موت کا سبب ہوگا۔،،۳۵

مصنف نے اس ناول کے ہر ایک کردار سے داخلی اور خارجی سطح پر شعور اور فکری مباحث میں نظریاتی تازگی کو خصوصا مد نظر رکھا اور یہ خود مصنف کی بین السطور فکری تموج کی موضوعاتی تنوع کی واضح عکاسی ہے۔ نعیم بیگ صاحب نے ناول کے فنی اور تکنیکی تجربات کو جدت اور انفرادیت سے وحدت تاثر کے عناصر میں منسلک کیا ہے۔
جس کے خلاف علی کمال ہمدانی پروفیسر جہاں آرا کا مودب طالب علم ہونے کی حیثیت سے اپنا بھرپور احتجاج کرتا ہے وہ چونکہ ایک مقامی اخبار میں کالم نگار تھا اس نے موئثر رد عمل کے لیے احتجاجا سٹوری چھاپ دی۔ جس میں یونیورسٹی حکام بالا اور حکومتی افسروں پر کھلی تنقید کی گئی۔ اور نتیجتا اسے مارشل لا ہیڈ کوارٹر طلب کرنے پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ایڈٹر کی تسلی کے باوجود اس کے خلاف مارشل لا کورٹ میں کاروائی کے دوران اعترافات پر مجبور ہونا صحافتی اور تنقیدی فکر پر قدغن کے مصادق تھا۔ کیونکہ مارشل لا کے ضبواط کی رو سے کسی بھی حکومتی قانون کی خلاف ورزی کے حوالے سے لکھنا سنگین جرم قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ علی کمال ہمدانی کمال ہوشیاری اور زیرک دماغ سے اپنی وضاحت میں کہتا ہے کہ میں نے بطور صحافی سماج میں اشرافیہ کی ناجائز طاقت کے اظہار پر صحافتی تحریر کے ذریعے فرئضہ ادا کیا ہے۔ دو جاگیر دار مقتدر گھرانوں نے ایک علمی شخصیت پر حکومت مخالف سر گرمیوں کی الزام تراشی کی وجہ سے اسے نوکری سے ناحق برطرف کروادیا ہے۔ علی کمال کو مشروط معافی نامہ اور آئندہ کسی قسم غیر قانونی صحافتی سر گرمی سے احتیاط کی یقعین دہانی شامل ہیں۔

رہائی کے بعد سیاسی جبر انسانی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے علی کمال انہیں احساسات سے گذر رہا تھا۔ اسی کشمکش میں سی۔ایس۔ایس کی تیاری اور کامیاب نتائج کے بعد ڈی۔ایم۔جی کے گروپ میں سول سروس اکیڈمی جوائن کرنے سے انتظامی امور کی جانب توجہ مبذول ہوئی تو کہانی نے اصل حقائق کی تہوں سے پرتیں کھولنا شروع کیں۔ سیاسی اور انتظامی پس منظر کی معنویت مرکز میں آگئی۔ مصنف نعیم بیگ صاحب نے کہانی کے باطن میں موجود واقعاتی تسلسل کو سماجی، سیاسی جبر واستعمار کو سسٹم کی کمزوری سے وابستہ کیا ہے اور اسٹیبلشمینٹ اور ڈوپلومیٹس کی نفسیاتی چھل اور شعبدہ گری کے حربوں کو سسٹم کی پائداری یا من مانی منطق کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے اس ناول میں اداروں کی پس پردہ پالیسیوں اور منافقانہ طرز عمل اور اس سے پیدا ہونے والے انتشار کو بے نقاب کر دیا ہے، اور باریکی سے ان اہم وجوہات کی نشاندہی بھی کر دی ہے، جس پر ایک عام محب وطن کی سوچ کھوج نہیں لگا سکتی، جو ایک قابل اور کچھ خاص کار کردگی کر ڈالنے کی جرات رکھنے والے آفیسر ز کے نئے تازہ دم ذہنی اور فکری دھاروں کو سچائی سے متضاد سمت میں منتقل کرنے پر پوری طاقت صرف کر دیتا ہے۔ اس ناول میں مابعد جدید اور نوآبادیاتی فکری تصادم صاف اور واضح جھلکتا ہے۔ جو روایتی انداز میں سیاسی، انتظامی رویوں کے تسلط کو رد کرتے ہوئے اضداد فکری کی جھلک اور تپش کو نمایاں کرتا ہے۔ ناول کی فکری اور تنقیدی بصیرت موجودہ عہد کی باشعور ذہنی جہتوں کو موضوع اور کرداروں کے تنوعات سے اجاگر کرتی ہے جو نعیم بیگ کی جدید عصری رویوں پر گرفت کی نشاندہی کا سبب ہے۔

فصل ۱۴۔ شی جسٹ ایکسپائرڈ میں علی کمال ہمدانی اپنی تمامتر ذہنی الجھنوں اور سماجی ذمہ داریوں کے دوران محبت جیسے لطیف جذبے سے قریب تر ہوتے ہوئے بھی تشنہ لب ہی رہتا ہے۔ والدین کے اصرار پر خاندان میں ،،امبر،، سے شادی اور پھر بیوی کی اپنے عاشق سے والہانہ محبت اور وفا بالآخر علیحدگی نے شخصی انتشار اور ذہنی اضطراب گہرے ہوتے گئے۔ فوج کے یونٹ میں پوسٹنگ بطور اسسٹنٹ کمشنر نادرن ایریا میں ہونے پر ریاست اور بیوروکریسی کے معاملات اور حکومتی معاملات میں افسر شاہی کی ڈپلومیسی کی انتقامی کاروائی کا شکار ہوا۔ سرکاری ملازمت کی ذمہ داری اور سسٹم میں سرکاری افسروں تک عوامی رسائی محدود کر دی جاتی ہے۔ مگر علی کمال کے سرکاری دفتر میں عوام کی رسائی افسران بالا کے لئے ناگوار تھی۔ کیونکہ بطور ،، عوامی آفیسر ،، ناگواریت کا سامنا ہونا یقینی امر تھا۔

اس ناول میں مصنف کی دیگر خصوصیات کے پہلو سامنے آنے کے ساتھ تانیثیت کے متنوع پہلوؤں سے واضح آگاہی اور اس کے بروقت اظہار کو مدنظر رکھا ہے اس کا واضح ثبوت ان کے نسوانی کردار ہیں۔ جن میں ناول کے ارتقا کی صورت میں مرکزی مرد کرداروں کے ہمراہ نسوانی کرداروں کی مرکزیت میں بھی کوئی کمی نہیں دکھائی دیتی۔ جس طرح ویکلی ،، روشن آسمان ،، میگزین کی سارہ ہو یا کہانی کی مرکزی نسوانی کردار ،، دیا ،، ہو۔ میڈم جہاں آرا ہوں علی کمال ہمدانی کی والدہ، امبر (بیوی) فاخرہ یا دیا کی دوست جارجیا ہو یہ تمام نمایاں نسوانی کردار نفسیاتی اور جذباتی اتار چڑھاو کے ساتھ فطرت کے بہترین نقاش دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہاں نعیم بیگ صاحب نے ان کی بنت پر داخلی اور خارجی عمومی اور نظریاتی تفہیمات و ترجیحات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ کیونکہ جس طرح نوآبادیاتی سامراجی جبر و استبداد نے جس طرح تہذیبی اقدار اور معاشرتی بنیادوں پر ضرب کاری ثبت کی ہے۔ تو عورت کے سماجی کردار اور شعور نے بھی عہد ساز تبدیلیوں کے ساتھ اپنا سماجی، اخلاقی، تہذیبی کردار ادا کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ جس طرح فاخرہ علی کمال ہمدانی سے مکالمہ کرتے ہوئے انتظامی امور کے حوالے سے آگاہ کرتی ہے۔ علی کمال کہتا ہے:

،، ملک میں بھٹو کے خلاف بعد از تحریک گرفتاری، عدالتی
مقدمے اور قصوری قتل کیس نے سول افسروں کے درمیان ایک
عجیب فضا پیدا کر دی تھی۔ چاروں طرف ناانصافی اور خوف کی
فضا تھی۔ میرے اندر کا انسان اور صحافی اکثر مجھے کچھ کہہ دیتا
لیکن فاخرہ کا خیال تھا کہ اس وقت پورے ملک پر فوج چھائی ہے،
طاقت ان کے ہاتھ ہے، لہذا فوج کے ادارے سے کانفلکٹ کی بجائے
اس خوفناک ماحول میں جتنی عوامی خدمت ہو سکتی ہے وہ کرو۔،، ۳۶

جبکہ ان کے دوست حمزہ کا خیال تھا کہ علی کمال کو مارشل لا کے ساتھ ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے۔ جو کہ ایک خوددار محب وطن شہری اور ایماندار سول آفیسر کے حوالے سے علی کمال ہمدانی کے لیے دقت طلب امر تھا۔ یوں روزانہ مارشل لا آفیسرز سے الجھاو، ذہنی تناو اور اضطراب کا باعث بن رہا تھا۔ مگر کام کے بے جا دباو، مارشل لا افسروں کا انتظامی اور عدالتی نظام میں مداخلت، بلاوجہ افسران کی طلبی اور احکامات اور فوری عمل درآمدی اور بے جا تنبیہ اور جارحانہ طرز نے انتظامیہ میں ذہنی دباو، اضطراب کو عام کر رکھا تھا۔ جس کے باعث قابل افسران کی اپنے عہدوں سے وحشت بڑھ رہی تھی۔

اس کے علاوہ ازدواجی زندگی میں چلنے والی کشمکش سماجی رشتے کو کس طرح کمزور کر رہی تھی۔ علی کمال ہمدانی کے مضبوط کردار کی داخلی کیفیات اور جذباتیت سے بھرپور نقش ابھرتے ہیں۔ نعیم بیگ صاحب کے کرداروں کے باطن میں چلنے والی دبدھاوں اور خارج کے کثیر عناصر کے گہرے اثرات کو بڑے تکنیکی انداز میں کھول دیا ہے۔ لکھتے ہیں علی کمال کی خود کلامی کچھ یوں ہے:

،،جوں جوں میں امبر کے قریب ہونے کی کوشش کی توں توں
وہ مجھ سے دور ہوتی گئی دوستی کی فضا تو قائم ہی نہ ہوئی
تھی کہ دوریاں بڑھنے لگیں۔ہم اجنبیوں کی طرح ایک رشتہ بنا
رہے تھے ہم دونوں میاں بیوی کے جسمانی تعلقات اور عمومی
زندگی میں ویسے ہی ابھی بھرپور داخل نہیں ہوئے تھے کہ
رفتہ رفتہ دور ہوتے گئے۔پہلے دن سے لے کر ابھی تک میرے
امبر کے ساتھ جنسی روابط میں گرم جوشی مجھے یکطرفہ نظر
آنے لگی۔وہ میں ہی تھا جس نے اسے اصرار کیا، جس نے اسے پیار
کرنے پر آمادہ کیا۔۔۔۔۔۔۔یہ میری غلطی تھی۔میں چونکہ یک طرفہ سوچ
رہا ہوں اس لئے مجھے یہ سب کچھ ایسے ہی نظر آتا ہے۔،،۳۷

اس ناول میں مرکزی کردار آغاز سے ہی بہترین انداز میں اپنی داخلی کیفیات کو شعوری سطح پر لا کر ان کے ذریعے سے کتھارسس کرتا رہا ہے۔اور یہی خوبی اس کردار کو انتظامی امور سے لے کر اسے محبت کے مرحلے طے کرواتا ہے۔یہ ایک ناول نگار کی علمی اوت تجزیاتی فکر کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے۔کہ انسانی فطرت میں موجزن پرتوں اور عوامل کی کارفرمائی سے نہ صرف آگاہی ہے بلکہ ان کے ردوبدل کو بیان کرتا ہے۔علی کمال ہمدانی اپنی بیوی کے سرد لہجے اور بے رخی کے باعث اضطرابی کیفیت میں ذہن میں اٹھنے والے سوالات میں الجھ گیا کہ وہ کیوں مجھ سے الگ ہونا چاہتی ہے؟ہزار بے زاری اور روکھے پن کے علاوہ اس سوال کا جواب صرف مبر ہی دے سکتی ہے کیونکہ وہ خود کو امبر کے حوالے سے مخلص اور دیانت دار ہی سمجھتا تھا۔اور کسی قسم کے تعلق میں سختی یا فوقیت کا قائل بھی نہیں تھا،وہ اسے عمومی حیا یا جھجک سمجھتا رہا مگر ایک وسوسہ جو اس کے دل میں بار بار ابھرتا ہے کہ کیا کوئی اور اس کے دل میں کہیں اور بسا ہوا تھا؟اور بالآخر ایک دن اس کے وسوسے اور اندیشے سچ ثابت ہوئے،امبر جب اسے چھوڑ کر چلی گئی تو وہ اسلام آباد تبادلہ ہونے کے بعد شفٹ ہو گیا۔اسی دوران ایک دن سامان منتقل کرتے ہوئے اس کے ملازم مجید نے ایک لفافہ اسے دیا کہ یہ بیگم صاحبہ کی الماری سے ملا ہے۔اور علی کمال نے جب اس لفافے میں امبر اور اس کے عاشق خاور نامی شخص کے خطوط پڑھے جو کچھ شادی سے قبل اور ایک بعد میں لکھا گیا تھا،امبر اپنی شادی کے تعلق سے بے زار رہتے ہوئے اپنی محبت کی وفا کو نبھاتی رہی اور بالآخر زندگی سے رخصت ہوئی۔

،،تعلق کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے، لیکن اس
شک سے میں نے در گذر کیا تھا لیکن وہ شاید اپنی مجبوریوں
کو نبھا نہ سکی۔،،۳۸

اس شک کے پودے کو توانائی ان کے خطوط نے دے دی جس کے بعد علی کمال ہمدانی اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے سے تکلیف میں تھا۔

،،تو کیا آج تک میری زندگی میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے
جا رہا ہے۔یہ سب لکھے ہوئے سکرپٹ کا حصہ تھا۔اور ہے جو
سٹیج پر کھیلا جانا ضروری تھا؟تب اس کا ذمہ دار کون ہے؟۳۹

جنسی زندگی کی تلخیاں، ناکامی اور تنہائی کے باعث علی کمال کا ابتدا سے جاری نرم رویہ، خوش مزاجی، مستقل مزاجی، سرکاری زندگی میں صبر اب مسلسل سگریٹ اور شراب نوشی کے باعث رفتہ رفتہ غاب ہوتا گیا، اب وہ محکمے اور لوگوں کے درمیان سخت گیر، غصیلا، بے حس اور جھگڑالو آفیسر بن چکا تھا۔

مصنف نے انسانی نفسیات کی گہرائی کو ذہنی انتشار اور اضطرابی کیفیات کے رد عمل کو بدلتے رویوں اور مزاج میں پیش کیا ہے۔ ایک کہانی کار بنیادی طور پر معاشرے کا نباض ہوتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں اپنے کرداروں کی ذہنی و قلبی جذبات واحساسات کے رد عمل کی ڈور ہوتی ہے۔ جو عین فطری اپنی کیفیات ظاہر کرتے ہیں۔

علی کمال ہمدانی بھی محبت کے احساس زیاں اور فطری رویہ کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ نعیم بیگ صاحب نے علی کمال کے کردار کو مکمل طور پر اپنے اختیار میں لیا ہے۔ کہ وہ ایک تعلیم وتربیت یافتہ سمجھدار کردار کے شعوری اور لاشعوری عمل اور رد عمل کو ارتقائی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار جن حالات کے تحت زندگی کے اتار چڑھاو میں مفاہمت اور مزاحمت کے مدارج طے کرتے ہوے نہ صرف سماجی، سیاسی معاشرتی، تاریخی، عمرانی عناصر پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھتا ہے بلکہ ملکی اور قومی سطح پر ہونے والے فیصلوں ،بیوروکریسی، اشرافیہ اور اداروں کی داخلی حرکات وسکنات پر حتی الاامکان گرفت بھی رکھتا ہے، ساختیاتی بنیادوں پر کہانی کی بنت، اسلوبیاتی مزاحمتی اور تصادم کی کیفیت، کرداروں کی، ماحول اور تہذیب کی باقاعدہ پیش کش عقلی اور منطقی دلال سے ربط و تسلسل اور پلاٹ میں وحدت تاثر کو برقرار رکھنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور اس ناول کے پس منظر میں عمرانی، تاریخی اور سیاسی تناظر کی کڑیاں قدرے محتاط انداز سے وقت کے جبر اور استعمار کو تمام تر سفاکیوں اور بے رحمی کے ساتھ قومی اور عوامی شعور پر ثبت کرتی گئیں ہیں۔ یقعنا ناول کی جدت طرازی اور مزاحمتی فکر نے داخلی اور خارجی امور کی قلعی کھول دی ہے۔

فصل ۱۵ روشن الاو میں بیوی کے جانے کے بعد ترقی ہونے پر اسلام آباد میں آنے پر جمود بھرے ماحول نے تمام فطری کیفیات کو زنگ آلود کر دیا۔ مارشل لا کی سختی ختم ہو جانے پر علاقائی سیاست میں نیا پن سامنے آنے لگا تھا۔ ایک متحرک باشعور اور باعمل سول آفیسر کے لیے بے جا پابندیاں اور سختی نے اسے محدود کرر کھا تھا۔ اس تمام صورتحال میں علی کمال کے کتھارسس کی صرف وجہ تھی اس کی تحریریں، کالم تھے جو دن بدن تمام نامور اخبار ورسال کی زینت بنتے رہے۔ اور ایک حساس عہدے پر تعینات آفیسر کی شہرت یک دم مزاحمتی اور تنقیدی مصنف کی حیثیت سے حکومتی اداروں اور شخصیات پر کڑی تنقید کے باعث سامنے آرہی تھی۔ اس کی تحریروں کے زیادہ تر موضوعات ملکی حالات، مارشل لا، عوامی بدحالی، بدقسمتی، اشرافیہ اور جاگیر دارانہ نظام کی کمزرویوں اور اس میں پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ کی کرپشن اور نااہلی، لوٹ مار پر لکھی گئیں تھیں اور اچھا خاصا مزاحمتی اور تنقیدی انداز تو تھا ہی مگر جارحیت کا انداز زیادہ غالب تھا۔ علی کمال کی اکثر تحریروں اور کالموں میں ایک ہی مطالبے پر شدت سے زور دیا گیا۔

،،اس ملک کے بے عمرانی معاہدے پر زور دیا گیا۔،،اور اس کے نتیجے میں اسے شدید تنقید اور نفرت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ مخالفین نے اسے ملک دشمن ایجنٹ کا نام دیا، یا یہود و نصاری کا ایجنٹ قرار دے کر پھانسی دینے کا مطالبہ کر ڈالا گیا۔ اسی جارحانہ رویے کے نتیجے میں اس نے سرکاری نوکری چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی مقصد کے لیے بالآخر ایک دن وہ اسٹیبلشمینٹ ڈویژن پہنچا جہاں تقریبا سبھی آفیسرز اس کے جاننے والے تھے، اپنے ایک کولیگ ڈپٹی سکریٹری کو استعفی لکھ کر دیا کیونکہ اب وہ اس زہریلے چھچھوندر (سرکاری نوکری) کو اگلنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ بے زاری کے دن تھے کوفت، ذہنی اضطراب، تنہائی اور اسیری سے نجات ایک ذہین، قابل اور مستعد انسان کے لیے کس طرح جان لیوا ہوتے ہیں کہ حالات سے منافقت سے سمجھوتہ نہ کرنے والے ذی روح اپنی بے چینیوں کی داستان کے راقم بھی شاید خود بن جاتے ہیں۔ ان دنوں علی کمال اکثر چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے پسندیدہ باغ،،روز اینڈ جاسمین گارڈن،، جانے لگا اور کچھ ہی دنوں میں وہاں غیر ملکیوں نے اپنے کیمپ لگانے شروع کئے اور اسے ایک وہ آواز سنائی دی۔۔۔۔۔۔

،،ہائے۔۔۔۔۔ علی۔۔۔۔۔ از دس یو؟ بکھرے سنہرے بالوں اور ڈھیلے

ڈھالے لباس میں الجھی بکھری گلے میں مالائیں ڈالے،،دیا،،اس

کے سامنے کھڑی تھی۔۔۔۔۔،،اوہ۔۔۔۔دیا۔۔۔یہ تم ہو۔،، ۴۰

بھیگی آنکھوں کے ساتھ علی اور دیا طویل مدت اور محبت کے بے نام سفر پر انگلیاں پکڑے آج اس مقام پر روبرو تھے۔ یوں دیا اپنے ٹورسٹ ساتھیوں روزی، جمیز اور دیگر سے علی کو ملواتی ہے۔ جن سے وہ اکثر علی کا ذکر کرتی تھی، اور وہ اسے ،،دیاز یور گومین،، کہا کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ یوں اچانک دیا کے خیالوں کے شہزادے علی کمال ہمدانی کو سامنے پاکر حیران ہوتے ہیں اور پر تپاک انداز میں ملتے ہیں۔ دیا اور اس کے ساتھیوں سے مل کر علی نے اپنے اندر زندگی کو کروٹ لیتے اپنے ماں باپ، بیوی، دوست، سرکاری ملازمت کا وقت شدت سے زندگی کے منظر ابھرنے لگے۔ اسے اپنے اندر زندگی کی تازگی کا احساس سر اٹھانے لگا۔ اس کی بذلہ سنجی، زبان و بیان میں لذت کا ذائقہ، انسان دوستی، محبت کے نغمے سب لوٹنے لگا۔ یا شاید ،،دیا،، سے دوری ختم ہوئی تو اس کا اثر تھا۔ وہ دیا کو اپنی روح میں محلول کرتے محسوس کر رہا تھا۔ اسے ،،دیا،، سے پہلی ملاقات میں محبت کا اقرار اور زندگی بھر اس کے ساتھ رہ کر وفاوں کے اثبات کے اقرار یاد آنے لگے۔ جنہیں وہ رد کر کے پاکستان چلا آیا تھا۔ اس دوران اس کی زندگی کئی طوفانوں سے گذر چکی تھی۔ ماں کی وفات کے بعد امبر نے خلع کا نوٹس بھیجا اور طلاق لے لی۔ اور اب دیا سے قربت کا شوق دوبارہ سر اٹھانے لگا۔ مگر ناکامی کے خدشات ہمت توڑنے لگے تھے۔

دیا اپنی دوست روزی کے ساتھ علی سے ملنے اس کے گھر آتی ہے۔ گپ شپ، ملاقات، لمبی سیر کے بعد جب گھر واپس آتا ہے۔ تو اس کی بہن چھوٹی اپنے گھر سے اسے مطلع کرتی ہے کہ کچھ انکوئری آفیسر زآئے تھے والد کی جائیداد اور ہم دونوں بہن بھائیوں کی تفصیل پوچھتے رہے۔ علی سمجھ گیا کہ سرکاری ملازمت کے دوران شمالی علاقہ جات کی ترقی کے پروجیکٹ میں جب ڈائریکٹر تعینات ہوا تو بہت سی کرپشن سامنے آئی جس پر اس نے سخت ایکشن لیا۔ سکڑیڑی کے عہدے کے برابر بڑے آفیسر اس میں خصوصی طور پر ملوث تھا یہ سب سیاسی انتقام کا شاخسانہ تھا۔ جواب استعفی دینے کے بعد بھی اس کے خلاف انکوائری کروائی جارہی تھی۔ دیا اور اس کے گروپ کی خواہش کے مطابق شمالی علاقہ جات کی تفریح کا تمام انتظام علی خود کروادیا۔ اسی دوران علی دیا کی دوست روزی سے دیا کے متعلق تفصیل معلوم کرتا ہے۔ دیا اس ٹور سے قبل بھی پاکستان کا دورہ کرچکی تھی جب علی نے شادی کر لی تھی، علی کے لیے یہ سب حیران کن تھا۔

۔ اس دوران دیا اپنے دوستوں کے سامنے علی کی فراخ دلی اور میز بانی اور شمالی علاقہ جات کے دورے کے انتظامات کا شکریہ ادا کرتی ہے اور جب دونوں اپنے احساسات خود پر گذرنے والی کیفیات، جدائی اور زندگی کے اتار چڑھاو کا احوال سناتے ہیں، جس کے باعث دونوں کی جذباتی کیفیت پچھتاوے اور یاسیت کے انداز میں طاری ہوجاتی ہے۔ دیا نے زخم خوردہ لہجے میں کہا۔

،،دوستوں کی لاشوں پر خوشیوں کے تعمیر کئے محل ہمیشہ

بھوتوں سے بھرے رہتے ہیں، جب تک کہ کوئی ان لاشوں کا باقاعدہ

رسومات کے ساتھ دفنانہ دے۔۔۔ علی ! شاید تم نے بھی

اپنی زندگی کے سفر میں ایسا کیا ہو؟ جس کا تمہیں اندازہ

ہی نہیں۔۔۔ وہ مسلسل بول رہی تھی۔،، ۴۱

دیا کے منطقی انداز اور محبت کی سچی فلاسفی کی دلیلوں نے علی کو بے بس کر دیا تھا۔ جس کے جواز میں وہ کہتا ہے:

،، کیا۔۔۔۔ تم نے خداوں ی محبت کا سنا ہے؟ ہم تو اب بھی اس پر

یقعین کے ساتھ زندہ ہیں کہ خدا جب دلوں میں گھر کرلیتا ہے، تو بڑی

مشکل سے نکلتا ہے۔ میں محبت کو خدا جانتی ہوں۔ تم نہیں جانتے

۔۔۔ جار جیا اور میں تمہارے بارے میں کیا کیا باتیں کرتے تھے۔ تم میرے

دل میں اتر چکے تھے۔ میں دیوی کی راج گدی سے اتر کر داسی
بن کر تمہاری تلاش میں پاکستان آئی تھی۔،، ۴۲
علی اپنی بے بسی کی دلیل دیتا ہے۔
،، لیکن امبر۔۔۔۔ امبر کو تو میں بیاہ کر لایا تھا نہ۔
میرا مطلب ہے وہ تمام تر سماجی، معاشرتی اور معاشی عزت
کے ساتھ آئی تھی۔۔۔۔،، ۴۳
وہ علی کو جتاتی ہے کہ تم بھول چکے ہو علی کوئی شدت سے تم سے محبت کرتا ہے، کرتا رہے گا۔ محبت کا صحیح اندازہ نہ تمہیں ہے نہ تمہارے سماج میں ہے۔
،، ہماری طرف کچھ بدلا بدلا سا ہے لیکن جوہر وہی ہے۔،، ۴۴
دیا نے بتایا کہ وہ اب مڈوائف کا کام کرتی ہے۔ یہاں خالق نے اپنی مخلوق جو رتبہ دیا ہے۔ تخلیق کا اس پر دیا کہتی ہے:
،، علی تم تو یقعنا جانتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ انسان ہر تخلیق اپنے طور پر خلق
کر سکتا ہے مطلب ذاتی اور انفرادی کوشش، ماسوائے انسانی تخلیق
کے۔۔۔۔ نئے انسان کی تخلیق کے لئے خدا نے دو دلوں کا دو جسموں کا
ملاپ ضروری کیوں کر رکھا ہے۔ انسان کے خلق ہونے میں اس نے
اپنی طاقت میں کسی کو شریک نہیں کیا، انسان کو یہ شکتی نہ
دی۔۔۔ جانتے ہو کیوں نہ دی؟؟؟ مجھے اس کی براون آنکھیں سرخ
ہوئی نظر آنے لگیں۔ وہ سچ مچ دیا بن رہی تھی۔ ڈئیوس یا علی
کی دیا؟ اس کا مجھے ادراک نہ تھا۔ وہ کائنات کے سب سے بڑے
تخلیقی عمل کو جاری رکھنے کے لئے دلوں میں محبت کا الاؤ جلتا
رکھنا چاہتا ہے۔۔۔ وہ ڈئیوس ہے نہ!۔،، ۴۶
دیا کے اقرار محبت اور انتظار کی اضطرابی کیفیت نے علی کمال کو بے حال کر دیا تھا وہ جیسے خود اس لمحے کو امر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دیا کو اپنے پاس رکنے کا کہا تو دیا نے اسے تسلی دی کہ
میں تمہارے پاس دل میں ہی ہوں اور تم میرے پاس دل میں ہو۔۔۔۔۔۔۔
،، ناو۔۔۔۔ مائی گڈ بوائے۔۔۔ گو ہوم اینڈ نیور بی سیڈ آئی ول سون
بی جائننگ یو۔۔۔۔ پلیز گو می اے فیئر ویل کس۔
Now my good boy, go home and never
be sad, I'll soon be joining you giveme a farewell kiss.,,۴۷

دیا سے مل کر جب علی واپس اپنے اپارٹمینٹ پہنچا تو کئی کالے شیشوں والی گاڑیاں موجود تھیں۔ایک خفیہ ایجنسی کے آفیسر نے علی کمال ہمدانی کو عدالتی ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری دکھایا۔

غصے اور جھنجھلاہٹ سے علی نے اپنے ذاتی ملازم سلیم کو کہا:،،ٹھیک ہے سلیم تم اپنا خیال رکھنا۔،،اور آفیسر کے ساتھ چل پڑا۔یہ گرفتاری بظاہر مرکزی احتساب عدالت کے وارنٹ سے ہوئی مگر علی کمال ہمدانی کو تفتیش کے دوران ناکردہ مبینہ کرپشن سے زیادہ اس کے بے باک لکھنے لکھانے کی سرگرمیاں وجوہات اور غیر ملکیوں (دیا اور اس کے ساتھیوں) سے ملنا جلنا پوچھا جارہا تھا۔

اور رفتہ رفتہ سوالات بڑھتے گئے اور تھرڈ ڈگری برتی گئی۔۔۔۔۔۔ٹھنڈے پانی میں ڈالا جاتا،کمرے میں سرچ لائٹیں اور مسلسل اونچی آواز میں شوز کرنے والے کیسٹ لگائے گئے تاکہ وہ سو نہ سکے،مالی کرپشن کے حوالے سے علی کے اثاثے بینک اکاونٹس شفاف تھے۔خفیہ ایجنسی والوں کا شک تھا کہ اس نے اپنے اثاثے غیر ملکیوں کے ذریعے بیرون ممالک چھپا رکھے ہیں۔اور یوں ایجنسی کے سزا کے انداز بدلتے گئے اسے بددیانت،کرپٹ غیر ملکی جاسوس نامزد کیا جارہا تھا۔اخباری رپورٹرز کے سوالات کے جواب میں علی اپنی بے گناہی کا تعین دلایا،مگر حکومتی اداروں نے سختی بڑھادی۔علی کے جان پہچان والے آفیسرز اسے مطلع کرتے رہے کہ حکومت کی نظر وہ ناپسندیدہ آفیسر ہے۔اور ایک مہینہ کی حراست کے باوجود کوئی ثبوت نہ ملنے پر جھنجھلائے آفیسرز نے تشدد شروع کر دیا۔ان کی انکوائری اب یہ تھی کہ سرکاری نوکری میں قلمی نام سے کالم اور مزاحمتی تحریریں،بیوروکریسی،مقتدرہ یا انتظامیہ کے خلاف کس کی پشت پناہی سے لکھیں۔۔۔؟کون سے سیاسی لوگ تمہارے ساتھ ہیں؟تم امریکی،(دیا،جیمز،روزی)لوگوں سے کیوں ملتے ہو؟وہ تمہاری گرفتاری کے باعث کیوں ہو گئے؟نظریاتی خیالات پر مشتمل کالمز کے نتیجے میں سخت سزائیں دی جارہی تھیں۔اب یہ خدشہ تھا کہ کہیں دیا یا اس کے کسی ساتھی کو گرفتار نہ کر لیا ہو اس لئے وہ روز کی سختیاں جھیل رہا تھا۔کیونکہ وہ اب کوئی نہ کوئی جرم کا اعتراف کروانا چاہتے تھے۔دیا کے ساتھ اپنی بہن اور اس کے بچوں اور شوہر کی فکر لاحق ہوتی۔مایوسی ذہنی وجسمانی کمزوری دباو ناقابل برداشت ہوتا گیا۔کئی مہینوں کی ناکام پوچھ گچھ کے بعد اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

مکمل تنہائی،اندھیرا کمرہ،ذہنی خیالات کا نے پناہ انتشار علی کمال کو تقریباً پاگل کرتا جارہا تھا۔بہت طویل مدت بعد جب حکومت بدلی تو منسٹری کے کوئی بڑے آفیسر اس سے ملنے آتے رہے تھے۔اور جب سوٹ بوٹڈ ہینڈسم آفیسر سامنے آیا تو وہ علی کمال کا اپنا بہترین دوست کلاس فیلو اور حقیقتاً اس کی زندگی کے مسائل کی شروعات کی وجہ بھی تھا،،حمزہ درانی۔جو کچھ شرمندہ بھیگی آنکھوں اور خفت بھرے انداز میں ملا۔جس نے امید دلائی کہ علی تمہارے ساتھ یہ سب چند کرپٹ لوگوں کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے اب حمزہ نے بتایا کہ فاخرہ بھی تمہیں ملنے آئے گی،تمہاری بہن چھوٹی نا جانے اچانک کیسے بیمار ہوئی اور آخری دنوں میں تم سے ملنا چاہتی تھی لیکن حکومتی پالیسیوں اور یک طرفہ کاروائی کے تحت اجازت نہیں ملی۔اور یوں وہ دنیا سے چل بسی۔اب تمہارے میں تمہیں جلد ہی رہا کرواں گا اور اگلی ملاقات تمہارے گھر پر ہو گی،ان شااللہ۔بہن کی اچانک موت کا صدمہ حمزہ درانی کے سامنے اپنی حالت زار اور ذہنی دباو سے جیسے اسے پاگل کر دیا تھا۔شدید ذہنی انتشار کے تحت علی نے اپنی کرسی حمزہ پر دے ماری۔یہ وہ ناگہانی تضحیک تھی جو کئی مہینوں سے وہ ناحق سہہ رہا تھا۔جو حق کے لیے آواز اٹھاتا اور جبر واستبداد کا نشانہ بنتا رہا تھا۔اس شدید غم اور بے بسی کی حالت میں اسے ڈاکٹر اور سیکورٹی عملے نے انجیکشن لگائے اس کے بعد گندی تاریک جیل سے اب اسے پاگل خانے میں منتقل کیا گیا تھا۔۲۱ گھنٹے بعد میں ہوش آنے پر اسے ڈاکٹروں سے پتہ چلا کہ وفاقی ہوم سکریٹری حمزہ درانی کے سامنے علی کمال ہمدانی کو شیزوفرینیا کا خطرناک دورہ پڑا اور اب اس پر فوری طور پر قابو پا لیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔

علی کمال نے اڈیالہ جیل کی ڈاکٹر مس قادری کو اپنی تمام تر روئیداد لکھ کر دے دی تھی۔۔۔۔وہ لکھتا ہے۔

،،اس کہانی کو جو ایک ایسے یور گومین کی ہے لکھتے ہوئے میں

اکثر اوقات اپنے جذبات واحساسات پر قابو نہ پا سکا۔تمام واقعات

میں نے بلا تحریف و تخفیف بیان کر دیتے ہیں میرا سچ یہی ہے۔

میرے فگار دل نے بالآخر میرے وجدان کو گواہ بناتے ہوئے اس

خونچکاں داستان کو رقم کر دیا۔۔۔،،۴۸

نعیم بیگ کا تخلیق کردہ یہ مرکزی کردار داستان اور خود نوشت نگار بھی ہے۔ جو خود پر بیتے تجربات اور ردعمل اور نتائج کا فکری تجزیہ بخوبی کرتا ہے۔

آخری فصل زرد خواب میں نعیم بیگ صاحب نے علی کمال ہمدانی کے ساتھ ہونے والے سیاسی، سماجی جبر کو آخری موڑ دیا اور بہت موثر انداز سے ناول کے تمام واقعات کی کلی وحدت کو انجام اور متوازن منطقی انداز دیا ہے۔ جو علی کمال ہمدانیکی صفات کو نمایاں کرتے ہوئے معاشرے کے ہر منطقی و عقلی دلائل کے حامل ذہن کی خوبصورت عکاسی بھی کر دی ہے۔

ویکلی روشن آسمان میگزین کی محافی سارہ اپنے دوست رپورٹر نعمان کو علی کمال ہمدانی کی گمشدہ کہانی کی تفصیل بتائی جو اڈیالہ جیل سے ڈاکٹر مس قادری سے علی کا مسودہ لے کر پڑھتی ہے۔ نعمان جو سارہ کا جونیئر کم دوست زیادہ ہے اس نے سارہ کو جزباتی وابستگی سے الگ اپنی دوست، باس سمجھا اور انسیت اور محبت کی کسی انجانی لہر کو حاوی نہیں ہونے دیا۔

،،وہ سارہ کی زندگی میں شامل ہو جانے کا کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا

چاہتا تھا، جہاں اس کے جذبات دوسرے کی زندگی سے کھیل جائیں وہ

ایک مرد ہے، اسے عقل و خرد کو ہاتھ سے نہیں نکلنے دینا ہے ورنہ

جذباتیت دونوں فریقین کا تباہی کے دہانے پر پہنچانے میں دیر نہیں

لگاتی، نعمان نے جب علی کمال کی کہانی کو ابھی سرسری پڑھا

تو اسے لگا وہ فیصلہ کرتے وقت اپنے دلائل کو اپنے حق میں ڈھال

لیتا تھا۔ تاہم اس کی یقعنی وجہ اس کے سامنے رہی ہو گی وہ سارہ کو

نفسیاتی ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔،، ۴۹

جب یہ بادبانی کشتیاں ہوا کی دست برد سے نکل کر خود مختار کشتیوں میں بدل جائیں گی، تب انجانی محبتیں خود اپنے راستے چن لیں گی۔، نعمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

سارہ علی کمال کی معلومات لینے ہسپتال جاتی ہے اور ڈاکٹر سلمان جو اس کے بہترین دوست بن چکے تھے وہ بتاتے ہیں کہ تمہارا خاص مریض ہم سب کو جل دے کر بھاگ نکلا۔۔،،

کیونکہ ڈاکٹر سلمان کو معلوم نہیں تھا اس کے بارے میں۔ سارہ علی کمال سامان اور بیگ منگوا کر اس میں سے کوئی کلو نشان تلاش کرنا چاہتی تھی۔ جس میں اسے شیونگ کا سامان، چینج کپڑے، ایک ایڈریس بک ملتی ہے اور اس کے ساتھ کچھ وزٹنگ کارڈز اور ذاتی تصویریں بھی۔

سارہ نے ایڈریس بک ساتھ لی اور ڈاکٹر سلمان سے دریافت کیا علی کو ہسپتال کون لے کر آیا تھا، وہ بتاتے ہیں کہ کوئی نیا آفیسر تھا حمزہ درانی وہ بعد میں اسے ملنے بھی آتا رہا۔

سارہ نے واپس آکر علی کمال کی تلاش میں جاسمین اینڈ روزگارڈن سے معلومات لیں مگر بے سود کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں گیا۔ سارہ کو علی کمال ہمدانی کی آخری ملاقات یاد آئی مگر اسے علی کمال کی گمشدگی کے حوالے سے اخبار کا کالم پڑھ کر اپنے اور علی کے سکینڈل کے اشارے پڑھ کر افسوس سے سوچتی ہے کہ ہمارے پرنٹ میڈیا کی سنجیدگی کا اب وہ معیار نہیں رہا جو وقت کے ساتھ معاشی مفادات، ذاتی عناد حقیقی قومی مفاد اخلاص پر حاوی ہو چکا ہے اسے علی سے آخری ملاقات کی گفتگو یاد آتی ہے جس میں وہ اپنی کیفیت اور خواہش بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

،،جب اس نے محبت و خلوص سے اس سے کہا تھا کہ میں اپنی کہانی

لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں اس سماج کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں

کتنا سچ کہا تھا اس نے۔۔۔۔۔ سارہ خود کلامی سی کرنے لگی۔ کیا

کوئی شخص بھی اپنی انفرادی آزادی اور ذات کے دکھوں

کو سماج کے ساتھ شئیر نہیں کر سکتا؟ ۵۰

اسی دوران نعمان واپس آیا۔ اور سارہ کو سنسنی خیز خبر سے آگاہ کیا کہ میں،، علی کمال ہمدانی،، کو تلاش کر لیا اور انتہائی دکھ سے سارہ کی الماری سے وسکی اسکاچ کی بوتل ہونٹوں سے لگا لیتا ہے۔ سارہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی اسے پہلے اس قدر اضطراب اور کرب میں نہیں دیکھا تھا۔

وہ بتاتا ہے علی کمال بے قصور تھا اور وہ بے داغ کردار کا مالک تھا۔ اب شیز وفرینیا سے نکل چکا تھا اب وہ عوامی رائے کو بدلنے کی صلاحیت وہمت رکھتا ہے۔ مگر اسے نظام مملکت، سٹیٹس کو، ملکی اشرافیہ اور عنان مملکت کے حواری اس کی سچائی کو بالکل برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اسے ختم کر ڈالیں گے۔ کیونکہ نعمان بتاتا ہے کہ اس پر ڈیوس نے پینترا بدل لیا ہے۔ اور علی کمال کو ایک بار گرفتار کر لیا گیا ہے۔

مگر تکلیف دہ امر یہ ہے کہ گرفتاری کے حکم نامے پر محکمہ داخلہ کے سکریٹری حمزہ درانی کے دستخط ہیں نعمان نے اضطراری کیفیت میں کہا:

،،طاقت۔۔۔۔ صرف طاقت میری جان، کیا تم نہیں جانتی، ہماری

تمام تر، کتابی تدریسی اور فلسفیانہ تھیوریز جو مذہبی، غیر مذہبی

یا صرف اخلاقی رجحانات رکھتی ہیں، کے باوجود سکہ رائج الوقت

یہی فلسفہ سب پر حاوی ہے اس کے آگے سب فلسفے

اخلاقیات مذہبی تعلیمات ہیچ ہیں۔،، ۵۱

اس کے ساتھ ایک کرب اور دکھ افسردگی سے علی کمال ہمدانی جیسے نابغہ روزگار کی صفات پر روشنی ڈالتا ہے۔

،،یاد ہے تمہیں جب وہ پیدا ہوا تو معاشرت جغرفیائی تقسیم

کی شکار تھی۔ حکمرانی کے اطوار اور مفادات طے ہو رہے

تھے۔ وہ اتنا حساس تھا کہ اس نے اپنے لڑکپن سے ہی وہ سیاسی

وسماجی شعور حاصل کر لیا تھا، جو عمومی طور پر نوجوانوں

میں کم ہوتا ہے۔ اس نے بلاوجہ اپنے اندر ان خواہشات کو جنم

لینے دیا، جو ایک اچھا انسان فطری طور پر تمنا کر سکتا ہے

۔بس یہ کہ وہ ناکام ہو گیا،،۔ ۵۲

سارہ بہ ضد تھی کہ وہ اپنی جان لڑا دے گی اور علی کمال کو قربان نہیں ہونے دے گی۔ وہ مایوسی اور ذہنی دباو کی کیفیت میں نعمان سے مکالمے میں کہتی ہے کہ ہماری موجود حالت، شکست وریخت ہمارے جسموں روحوں ہمارے اطراف پھیل گئی ہے بار بار مذہبی، سماجی وسیاسی تجربے نے تہذیبی وتمدنی اقدار کو برباد کر دیا ہے۔ اب یہ تہذیب کی عمارت مخدوش ومنہدم ہونے والی ہے۔ مگر اب اس ظلم وجبر، منافقت کے نظام کو زیر کرنے کے لیے میں ہمت اور جرات اختیار کروں گی۔ اور بے انصافی نہیں کرنے دوں گی۔ اب

ریاست میں ہوں اور مجھ سے یا نئی نسل کے عزم سے ریاست کی پہچان ہے یہ اکیسویں صدی کی آواز بول رہی تھی۔ نعمان نے کہا کہ علی کمال نے زہر کے پیالے پی کر امید کی تازہ کرن کو روزن حیات میں منتقل کر دیا اور تاریکی کی عمارت کی بنیاد میں انسانی ڈھارس کا خون دے دیا ہے۔ اور اب اس کی قربانی روشن مستقبل کی کامیابی بنے گی۔ سارہ اور نعمان کے مطابق علی کمال ہمدانی کی دوبارہ گرفتاری کی بنیاد صرف نفرت، ذاتی و مالی مفادات، جھوٹ، خود پرستی اور منافقت کے محلوں پر ہے، جو کبھی مکمل نہ ہو سکے۔ اور قوموں کی تعمیر و ترقی ایسے مظالم استعماری جبر واستبداد سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہامرے سماج میں سچائی اور عدل کا عنصر غائب ہے۔ ایسے ناکام معاشروں میں اعلی عہدوں پر متمکن افراد بکھر کر ٹکڑوں میں بکتے ہیں اکٹھے کسی جھتے کے دام نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

نعیم بیگ صاحب نے ناول کی اکہری بنت میں مختلف داخلی تضادات کے توسط سے کمزور نظام کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ ناول ادب میں سنگ میل ہونے کے ساتھ نئے نوآبادیاتی بحران اور جدید اسلوبیاتی تخلیقی تجربے کی بنیاد بھی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ Dictionary of literary terms and literary theories by ,,T.A cudden London 1994 page , no 607

۲۔ ساختیات پس ساختیات مشرقی شعریات، گوپی چند نارنگ لاہور سنگ میل پبلیکیشنز ص ۱۹۹۴۳۵،

۳۔ ساختیات اور ساختیاتی تنقید مضمون، از ناصر عباس نیر رسالہ بازیافت شمارہ، ۳۶ اور نٹیل کالج لاہور۔

۴۔ اردو ادب کی تحریکیں، انور سدید کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۴، ص ۴۵

۵۔ ترقی پسند ادب، سردار جعفری، انجمن ترقی اردو دہلی ۲۰۱۳ ص ۱۳، ۱۴

۶۔ اردو ادب اور مغربی رجحانات، شکیل پتافی ڈاکٹر، ربانی پریس ۲۰۱۶، ملتان ص ۴۰

۷۔ برقی تحریر سوشل میڈیا فیس بک پوسٹ از نعیم ملک، تاریخ، ۲۰۱۹

۸۔ ڈیئوس، علی اور دیا از نعیم بیگ، عکس پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۸، فلیپ نوٹ از اقبال اے رحمن

۹۔ برقی تحریر بذریعہ سوشل میڈیا فیس بک پوسٹ گفتگو از نعیم بیگ، ۲۰۱۹، تاریخ

۱۰۔ ڈیئوس، علی اور دیا از نعیم بیگ انتساب، عکس پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۸ ص ۴

۱۱۔ ایضا ص ۱۰

۱۲۔ کرسٹی گوگل ماڈرن امجیر از نعیم بیگ ۲۰۲۰ تاریخ

۱۳۔ ڈیئوس، علی اور دیا از نعیم بیگ، عکس پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۸ ص ۵

۱۴۔ کلیات ضمیر جعفری از سید ضمیر جعفری، فکشن ہاوس لاہور، ۱۹۸۵۔

۱۵۔ ڈیئوس، علی اور دیا از نعیم بیگ، عکس پبلیکیشنز لاہور ص ۱۰۲۰۱۸

۱۶۔ ایضا ص ۱۰

۱۷۔ ایضا ص ۸

۱۸۔ ایضا ص ۱۰

۱۹۔ایضاص ۱۱

۲۰۔ایضاص ۱۲

۲۱۔ایضاص ۱۹

۲۲۔ایضاص ۲۳

۲۳۔ایضاص ۲۵

۲۴۔ایضاص ۲۷

۲۵۔کلیات ناصر کاظمی از ناصر کاظمی فکشن ہاوس لاہور، ۱۹۸۰۔

۲۶۔ڈیوس، علی اور دیا، از نعیم بیگ، عکس پبلیکشنز لاہور ۲۰۱۸ ص ۶۲۔

۲۷۔ایضاص ۶۹۔

۲۸۔ایضاص ۷۹۔

۲۹۔ایضاص ۸۰۔

۳۰۔ایضاص ۸۱۔

۳۱۔ایضاص ۸۲۔

۳۲۔ایضاص ۱۲۴۔

۳۳۔ایضاص ۱۲۸۔

۳۴۔ایضاص ۱۲۹۔

۳۵۔ایضاص ۱۵۸۔

۳۶۔ایضاص ۱۷۴۔

۳۷۔ایضاص ۱۷۸۔

۳۸۔ایضاص ۱۸۷۔

۳۹۔ایضاص ۱۸۸۔

۴۰۔ایضاص ۲۰۹۔

۴۱۔ایضاص ۲۱۱۔

۴۲۔ایضاص ۲۱۱۔

۴۳۔ایضاص ۲۱۱۔

۴۴۔ایضاص ۲۱۱۔

۴۵۔ایضاص۲۱۴،۲۱۵۔

۴۶۔ایضاص۲۱۵۔

۴۷۔ایضاص۲۲۲۔

۴۸۔ایضاص۲۲۶۔

۴۹۔ایضاص۲۳۱۔

۵۰۔ایضاص۲۳۲۔

۵۱۔ایضاص۲۳۹۔

۵۲۔ایضاص۲۳۹۔